مجالسِ شامِ غریباں

مجموعہ تقاریر

علامہ رشید ترابی * علامہ نصیر الاجتہادی
علامہ عرفان حیدر عابدی * علامہ طالب جوہری

مُرتب
شاہد ملک

ترتیب

1	علامہ رشید ترابی	یقین	8
2	علامہ رشید ترابی	سجدہ	23
3	علامہ نصیر الاجتہادی	دعا	39
4	علامہ نصیر الاجتہادی	رضائے الٰہی	57
5	علامہ نصیر الاجتہادی	علم	72
6	علامہ نصیر الاجتہادی	مقامِ مصطفیٰؐ	87
7	علامہ نصیر الاجتہادی	العلم	100
8	علامہ عرفان حیدر عابدی	شانِ رسالتؐ	116
9	علامہ طالب جوہری	فخر العالمینؐ	131
10	علامہ طالب جوہری	الانسان	149
11	نوحہ	گھبرائے گی زینبؑ	170
12	جو چل بسے تو یہ اپنا سلام آخر ہے		172

قبرِ اصغرؑ پہ گھڑی بھر کو چراغاں تو ہوا
کربلا میں جو بھٹکتے ہوئے جگنو آئے

—
سید محسن نقوی

مجالسِ شامِ غریباں

مجموعہ تقاریر

علامہ رشید ترابی * علامہ نصیر الاجتہادی
علامہ عرفان حیدر عابدی * علامہ طالب جوہری

مرتب
شاہد ملک

آغاز..........

پروردگارِ نطق ولب کا کتنا کرم ہے کہ خطیبِ عشیر وغدیر، خطیبِ منبر سلونی، خطیبِ نوکِ سناں اور خطیبۂ شام کے صدقے سے اور منبرِ حسینؑ کے وسیلے سے ہماری ملت کو ایسے نابغۂ روزگار خطیب وذاکر نصیب ہوئے، جنہوں نے اپنی گفتار کے زیروبم سے تبلیغِ اسلام کا فریضہ اتنی خوبصورتی سے ادا کیا کہ ہر صدائے بغض وعناد خامشی کے تحت الثریٰ میں غرق ہوگئی اور ذکرِ حسینؑ کے وسیلے سے توحید، عدل، نبوت، امامت اور قیامت کا درس اذہانِ عالم میں نقش ہوگیا۔ اصولِ دین کے ساتھ ساتھ فروعِ دین کی تبلیغ نے ہمارے کردار کو ایسا سنوارا کہ کائنات کا تمام تر حُسن، حسنِ مومن کے سامنے ماند پڑ گیا۔

ان علمائے حقّہ کے علمی جواہر نے ملت کے شعور کو اسقدر بلند کیا کہ دیگر مذاہبِ عالم نے اپنی کم علمی کا اعتراف کرتے ہوئے باب العلم کے ریزہ چینوں کے سامنے سرِ تسلیم خم کردیا۔ بھلا اس قوم کا شعور کیوں نہ بلند ہو جس کے سلیبس کا حصہ قرآن مجید ونہج البلاغہ جیسی اعلیٰ وارفع کتابیں ہوں۔

کافی عرصے سے میری خواہش تھی کہ ایک ایسی کتاب ترتیب دی جائے جس میں خصوصی طور پر ''مجالس شامِ غریباں'' کو محفوظ کیا جائے۔ پاکستان ٹیلی ویژن کی ان مجالس کو دنیا بھر میں بے پناہ مقبولیت حاصل ہے۔ بلاتفریقِ مذہب وملت ہر کوئی ان جواہرِ علمیہ سے فیض یاب ہوتا ہے۔

علامہ سید عرفان حیدر عابدی کی تقریروں پر مشتمل کتاب ''خطیب شام غریباں'' کو جو بے پناہ پذیرائی حاصل ہوئی اس نے ہمارا حوصلہ بڑھایا اور اب ہم

مجالسِ شامِ غریباں میں، علامہ رشید ترابیؒ، علامہ نصیر الاجتہادیؒ، علامہ عرفان حیدر عابدیؒ اور علامہ طالب جوہریؒ کی نایاب مجالس شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

یہ مجالس وہ ہیں کہ جن کے نشر ہونے کے بعد سب کا یہ تاثر تھا کہ ''مذہبِ اہلبیتؑ کے علمائے کرام قرآن کے علاوہ تو کوئی بات ہی نہیں کرتے۔''

یہ جملہ سن کر ہمارا سر مذہب کی حقانیت کی وجہ سے بلند ہو جاتا ہے اور جس قدر خوشی حاصل ہوتی اس کا اظہار لفظوں میں نہیں کیا جا سکتا۔

زمانہ صرف یہی (ٹی۔وی) کی مجالس ہی نہیں بلکہ ہماری ہر مجلس میں شرکت کرے تا کہ اس پر واضح ہو کہ ہم واقعی قرآن کے علاوہ تو کوئی بات ہی نہیں کرتے، وارثِ قرآن، اہلبیتؑ ہیں اور اہلبیتؑ کے ماننے والوں کے مذہب کی بنیاد ہی قرآنِ مجید ہے۔

''مجالس شام غریباں'' کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں ہمیں نامور عالمِ دین علامہ احمد نواز شاکر صاحب قبلہ اور خطیب العرفان علامہ ناصر عباس صاحب کا بھرپور تعاون حاصل رہا، خالقِ قرطاس و قلم ان کی توفیقات میں مزید اضافہ فرمائے۔

ہمیں امید ہے کہ نو واردانِ خطابت ان مجالس سے خاطر خواہ استفادہ کریں گے اور یہ مجموعہ بھی ہماری دیگر تالیفات کی طرح شرفِ قبولیت حاصل کرے گا۔

جب مصائبِ کربلا پڑھتے ہوئے آنکھیں بھیگ جائیں تو ہمارے لیے بھی ضرور دعا کیجئے گا۔

طالبِ دعا

شاہد ملک

یقین

(علامہ رشید ترابی)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

﴿ فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ وَ کُنۡ مِّنَ السّٰجِدِیۡنَ۔وَ اعۡبُدۡ رَبَّکَ حَتّٰی یَاۡتِیَکَ الۡیَقِیۡنُ۔﴾ (سورہ حجر: آیت ۹۸،۹۹)

سورۂ حجر کلام مجید کا پندرھواں سورہ ہے۔ یہ سورے کی آخری آیتیں ہیں اور آخری آیت کا آخری لفظ میرا موضوع ہے یعنی ''یقین''

عبادت کا کمال سجدہ ہے اور سجدہ اس طرح سے مسلسل رہے، اس طرح سے باخلوص رہے اور عبادت کی اس طرح سے روح بن جائے۔ ارشاد ہوتا ہے ''اتنی عبادت کر اپنے ربّ کی یہاں تک کہ تجھے یقین حاصل ہو جائے''۔

پھر ذہن میں رکھیے ''اپنے ربّ کے نام کی تسبیح کر، اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جا، اور اپنے ربّ کی اتنی اطاعت کر، اتنی عبادت کر کہ تجھے یقین آ جائے''۔

یقین کی منزل علم کا وہ کمال ہے جہاں غیب، شہود سے بدل جائے۔ جہاں غیب، غیب نہ رہے حضور بن جائے، اب اگر علم یہ مشاہدہ دنیا میں عطا کر دے تو وہ یقین اور اگر موت اس مشاہدہ کو مہیا کرے تو وہ موت یقین ہے اس لیے تفسیر میں یقین کے دونوں معنی لیے گئے ہیں۔ کہ اتنی عبادت کر کہ علم مشاہدہ کی منزل پر آ جائے یا موت

آ جائے۔اس لیے کہ موت قفس کے دروازے کو کھول دیتی ہے روح کو آزاد کر دیتی ہے، ماورائے حجاب اشیاء کو سامنے لاتی ہے اور انسان کو ہر شے سے آگاہ کر دیتی ہے جس سے وہ یہاں بے خبر تھا۔

اتنی عبادت کر یقین آ جائے۔ یقین بڑی دولت ہے۔ یعنی اگر یقین کو سمجھنا ہو تو ضد کو سمجھو، کہ شک کیا ہے۔ عنوان کی اہمیت کا اندازہ آپ اس سے لگا سکتے ہیں کہ کتاب الٰہی قانون ربانی، کہ جو ہمارے لیے قیامت تک دستور حیات ہے وہ اس طرح سے شروع نہیں ہوتا ہے، کہ یہ رحمت کی کتاب ہے۔ یا یہ علم کی کتاب ہے یہ معرفت کی کتاب ہے۔ یہ حکمت کی کتاب ہے۔ بلکہ شروع کیا جاتا ہے اس کتاب کو اس طرح سے

﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾

یہ وہ کتاب ہے جس میں شک نہیں ہے۔ ریب نہیں ہے۔

آپ نے دیکھا اس کی اہمیت کو۔؟ اور عجیب بات یہ ہے کہ قرآن کا یہ دوسرا سورہ، سورہ بقرہ جو سورۂ حمد کے بعد ہی شروع ہوتا ہے اس کا جو ابتدائی حصہ ہے وہ صاحبانِ ایمان کی تعریف میں ہے۔ اس کے بعد کافروں کی تعریف ہے، اس کے بعد ان لوگوں کی تعریف ہے جو کبھی کفار کے پاس جاتے ہیں، کبھی مسلمانوں کے پاس جاتے ہیں اور چاہتے یہ ہیں کہ کبھی ان کی باتیں سنیں، کبھی ان کی باتیں سنیں۔ تو نوعِ انسانی کی تقسیم کی گئی ہے آغازِ قرآن میں۔ مگر جب مومنین کا تذکرہ کیا، اور کہا:

﴿ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۔ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ۔ وَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ۔ وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ۔﴾

یہی لوگ ہیں جن کے لیے یہ کتاب ہدایت بن کر آئی ہے۔ جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں، نماز کا قیام ان کا فریضہ ہے اور پھر جو کچھ رزق ہم نے دیا ہے اس میں انفاق کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لاتے ہیں، جو کچھ تجھ پر نازل ہوا تجھ سے قبل ہم نے نازل کیا۔ اور اب آیت یہاں پر ختم ہوئی

﴿وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ۔﴾

انجامِ عمل پر، انجامِ کار پر، آخرت پر، نتیجہ پر، انتہا پر نظر، یقین ہے۔

اب آپ نے دیکھا کہ کلامِ ربانی کا آغاز ہی یہ ہے کہ شک نہیں، اس کتاب پر، اور ایمان کا کمال یہ ہے کہ یقین کی منزل پر پہنچے تو سجدے کے بعد جو منزل حاصل ہوتی ہے۔ وہ بجز یقین کچھ نہیں۔ اب اس طرح سے آپ ملاحظہ فرمائیں گے تو قرآن کریم میں مختلف مقامات پر یقین سے گفتگو کی گئی ہے۔ کہیں عین الیقین پر گفتگو ہے۔ کسی مقام پر یہ بتلایا کہ کس طرح سے انسان منازلِ یقین کو طے کرتا ہے۔ مختصر سے وقت میں ایک ذرا سا جائزہ لینا چاہتا ہوں۔ قرآن کو بیان سے ملا کر، قرآن نے ۲۸ مقامات پر یقین پر گفتگو کی ہے۔ اور اس طرح سے کلامِ معصوم نے جو صراحت کی میں اس کو بھی پیش کرنا چاہتا ہوں۔

ارشاد فرماتے ہیں، سنو! وہ یہ ہے کہ: علم اور یقین یہ بڑی دولتیں ہیں۔ اور اس طرح کی دولتیں ہیں کہ اِذَا عَلِمْتُمْ فَاعْمَلُوْا۔ (اگر علم ہے تو عمل کرو) وَ اِذَا تَيَقَّنْتُمْ اَقْدِمُوْا۔ (اگر یقین ہے تو اقدام کرو) یہ علم اور یقین کی منزل ہے۔

لَا تَجْعَلُوْا عِلْمَكُمْ جَهْلًا وَّ يَقِيْنَكُمْ شَكًّا۔

خبردار! اپنے علم کو جہل سے نہ بدلو، اور اپنے یقین کو شک میں تبدیل نہ

کردو"۔ علم اپنی منزل پر رہے۔ علم کی ضد شک نہیں۔ علم کی ضد جہل ہے یقین کی ضد شک ہے، اور جہاں شک آ جائے اور شک پر شک آئے اور مسلسل شک آئے تو پھر وہ بیماری ہے۔ دل کی بیماری ہے، روح کی بیماری ہے۔ جسم کی چھ حالتیں ہیں،۔ جسم خوابیدہ ہے یا بیدار، جسم مردہ ہے یا زندہ جسم صحت مند ہے یا بیمار۔

بالکل اسی طرح روح کی چھ حالتیں ہیں:۔ روح کی زندگی علم ہے، روح کی موت جہل ہے، روح کے لیے نیند غفلت ہے، روح کے لیے بیداری انتباہ ہے تنبیہہ کرتے جانا ہے کہ ہاں ہوشیار اور روح کی بیماری شک ہے، روح کی صحت یقین ہے۔ صحت روحِ یقین، اور جب انسان کو یہ دولت مل جاتی ہے تو روح اپنی صحت کے ساتھ قلب کی بیماریوں کو دور کر کے، اپنے آپ کو معرفت کی راہوں میں پاتا ہے۔

ارشاد فرمایا کہ ایمان کے لیے لازم ہے کہ صبر و یقین، عدل و جہاد، یقین کی چار حالتیں۔ ایک **تَبْصِرَةُ الْفِطْنَةِ** یعنی زیرکی میں ڈوبا ہوا، عقلمندی ہی عقلمندی ہو یقین کی پہلی حالت ہے۔ دوسری حالت **تَاوِیْلُ الْحِکْمَةِ**۔ جب عقلمندی میں ڈوب جائے تو حکمت کے موتی لائے۔ تیسری حالت **اَلْعِبْرَةُ** کہ برابر دنیا کو دیکھتا جائے اور عبرت حاصل کرتا جائے۔ صاحب یقین عبرت حاصل کرتا جائے۔ چوتھے سنتِ ماضییّن جانے والوں پر نظر رہے کہ ان کے یقین کا کیا عالم ہے۔ اس لیے کہ ہمارا مستقبل ہمارے ماضی سے کٹا ہوا نہیں ہے۔ ماضی سے کٹ کے جی نہیں سکتے ہیں۔ ہم اپنے یقین کو اسی یقین سے ملانا چاہتے ہیں۔

"اگر حجاب ہائے آسمانی میری آنکھوں کے سامنے سے ہٹا دیے جائیں۔ تو یقین کی منزل سے ہم ہٹیں گے ہی نہیں۔ جو یقین میرا اس وقت ہے اس سے آگے نہیں

بڑھے گا۔تو یہ ہے ماضیین کا تذکرہ۔''

بیٹے کو وصیّت کی یعنی امام حسن علیہ السلام کو صفین سے واپسی پر وصیت نامہ لکھا، اس میں ارشاد فرماتے ہیں۔''بیٹا! اپنے دل کی زندگی چاہتے ہو تو ہمیشہ اس دل کو نصیحت کرتے رہو اور زہد کی باتیں سنا کرو۔ اسے گوشہ نشین رکھو۔اس کو کسی ایک مقام پر سکون سے رہنے دو۔دل کو نورِ حکمت دو اور اس کو یقین سے قوت عطا کرو''

دیکھا آپ نے! دل کی قوت یقین ہے۔روح کی صحتِ یقین ہے۔علم کا کمال یقین ہے۔غیب کو شہود میں بدلنا یقین ہی سے ممکن ہے اور یہ اس طرح سے نہیں آتا کہ انسان فلسفیانہ افکار میں اپنے آپ کو مبتلا کر کے یقین کو ڈھونڈے نہیں۔یہ یقین آتا ہے کہ اپنے ربّ کی اتنی عبادت کر کہ یقین آ جائے۔اگر تھوڑی سی توجہ اور دی جائے اس بیان پر تو ارشاد ہوا:

''علم و معرفتِ الٰہی کا مدار کچھ مسائل پر ہے۔عارفوں کی باتیں عارفوں کی زندگی تین اصول پر قائم ہے۔یا خوف پر، امید پر یا محبت پر۔''

عارفوں کی باتوں کی بنیادیں تین امور پر ہیں: یا خوف ہے یا امید ہے۔یا محبت ہے۔پھر ارشاد فرمایا، خوف نہیں پیدا ہوتا جب تک کہ علم نہ ہو۔اس لیے قرآن نے کہہ دیا: ﴿اللہ سے ڈرنے والے وہی ہیں جو صاحبانِ علم ہیں﴾ خوف ضروری ہے انسان کے دل میں، مگر اللہ کے لیے یہ خوف ہو۔اور خوف پیدا نہیں ہوتا جب تک علم نہ ہو۔

اور اس کے بعد ارشاد ہوا۔''امید بنتی کیسے ہے، اگر یقین نہ ہو تو کوئی امید نہ باندھے۔جس کی ذات میں یقین ہوتا ہے اسی سے امیدیں بھی وابستہ ہوتی ہیں، جس کی ذات پر یقین نہیں ہوتا اس سے امیدیں وابستہ نہیں ہوتیں اس لیے کہ لازمہ ہے امید کا

طلب اور طلب کسی ایسے سے نہ ہو کہ جو خالی ہاتھ لوٹا دے اس مقام پر ثاقب لکھنوی مرحوم نے کہا تھا۔

دے صدائے دل مگر نقشِ قدم کو دیکھ کر
ایسے بھی در ہیں کبھی جن پر کوئی سائل نہ تھا

تو امید وہیں ہے کہ جہاں انسان اپنی طلب کے لیے آگے بڑھے اور طلب اسی وقت ممکن ہے کہ جہاں انسان کو یقین آ جائے کہ جس سے مانگ رہا ہوں اس میں صلاحیت بھی ہے۔

اس لیے فرمایا کہ ''اپنے ربّ کی عبادت کر، ربّ سے بڑھ کر کون ہے؟ ''

یہاں تک کہ تجھے یقین آ جائے، تا کہ رجاء معبودِ حقیقی سے ہو۔ طلب اسی کی بارگاہ سے ہو'' سو آپ نے دیکھا، یہ خوف ہے۔ یہ رجاء ہے کہ جہاں انسان اپنے آپ کو عارفین میں شامل کرتا ہے۔

تیسری منزل، خوف فرعِ علم ہے، رجاء فرعِ یقین ہے، محبت فرعِ معرفت ہے۔ معرفت نہیں تو محبت نہیں۔ یقین نہیں تو امید نہیں، علم نہیں تو خوفِ خدا نہیں۔

تو یہ منزل ہے یقین کی کہ جہاں انسان اپنے آپ کو ایک ایسی راہ پر پاتا ہے کہ جہاں اگر یہ یقین مٹ جائے تو پھر سامنا ہے شک کا اور شک کی حالت یہ ہے کہ اس میں تماری ہے، تردّد ہے، ہول ہے، فرار ہے۔ یہ چار پائیں۔

تماری یعنی بیکار، بے موقع، بے محل گفت وشنید۔ شک اگر ہے تو باتیں ہی باتیں ہیں۔ دوسرے، اگر شک ہے تو ہر آن ہول ہے۔

دیکھیے! وہاں لفظ خوف، استعمال کیا، یہاں لفظ ہول استعمال کیا۔ خوف کچھ او

رہے، ہول کچھ اور ہے۔ محبت کی منزل پر خوف ہے اور جہاں انسان اپنی جان کی حفاظت کے لیے دن رات پریشان ہو، وہ ہول ہے خوف نہیں۔ ہول سے تماری ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ تردّد ہے۔ آگے بڑھوں، نہ بڑھوں۔ پیچھے ہٹوں کہاں جاؤں؟ جہاں شک پیدا ہو، تردّد پیدا ہوا۔ جہاں تردّد آیا نتیجہ یہ کہ حق کی راہ میں آگے بڑھنا ممکن نہیں بجز فرار کے، جہاں فرار پاؤ تو سمجھو کہ یقین مٹ گیا۔ جہاں حق سے فرار ہے سمجھو کہ یقین نہیں ہے۔

آپ نے جب ان منازل کو طے کیا تو یقیناً آپ کو علم ہو چکا ہو گا کہ انبیاءؑ کو اللہ نے یقین کی دولت عطا کی اور اس منزل پر جو قابل ذکر دولت ہے جس کو قرآن مجید نے بہت ہی خاص انداز میں بیان کیا ہے:

''ہم نے ابراہیمؑ کو زمین و آسمان کا ہولڈ **Hold** بتلایا، کنٹرول بتلا دیا ارتباط بتلا دیا، کائنات کا تعلق باہمی بتلایا اور یہ بتلایا کہ اس کا ارتباط واقتدار کس کے ہاتھ میں ہے۔ فقط اس لیے کہ ابراہیمؑ کے دل میں یقین پیدا ہو، نبی اولو العزم، شیخ الانبیاء، صاحب شریعت، خلعت وورع، نبوت ورسالت وامامت کی منزل پر فائز ہیں جن کے لیے خطاب ان کے لیے ارشاد ہوا:

''ہم نے ابراہیمؑ کو آسمان وزمین کے ملکوت دکھا دیئے تاکہ وہ یقین کی منزل پر آجائے یہاں یقین موت نہیں ہے۔ بلکہ قلب ابراہیمؑ میں وہ صحت روح پیدا ہو جائے کہ اندازہ ہو سب کا مالک تو وہی ہے۔

اب اگر نمرود یہ کہے کہ بہت بڑا مکان بناؤ، چار دیواری بناؤ۔ اس میں آگ بھر دو، اس کو آگ میں ڈال دو۔ تو یقینِ ابراہیمؑ متزلزل نہیں ہوتا جس کو یقین ہوتا ہے

وہی آگ میں جا کر محفوظ رہ سکتا ہے۔

نمرود نے حکم دیا۔ اس کو آگ میں ڈال دو۔

اور پھر یہاں یقین کا یہ عالم کہ جہاں یہ کہا گیا کہ حقیقت میں یقین جان خلیل آتش نشین ہے کہ وہ روحِ خلیل ہے آگ میں بیٹھنے والا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ میں نے ملکوت سماوات والارض کو دیکھا ہے۔

آگ اس نے جلائی ہے کنٹرول اس کا ہے ہولڈ اس کا ہے آواز اِدھر سے آتی ہے۔ تو یقین مثلِ خلیل آتش نشین ہے۔ اور یقین مثلِ خلیل آتش نشینی، یقین اللہ مستی، خودگزینی، ایک کیف ہے، ایک مستی ہے، ایک سرور ہے یقین میں جس کا اندازہ وہی کر سکتا ہے جس کو اللہ نے یہ دولت دی ہے۔

سن اے تہذیبِ حاضر کے گرفتار! ''غلامی سے ہے بدتر بے یقینی''

ظاہر ہے کہ وہ کون مسلمان ہے جس نے صبح سے شام تک ایک آدھ مرتبہ کسی سے یہ نہ سنا ہو اور جس کو یہ آواز نہ پہنچائی جاتی ہو۔ اقبال کی

؎ یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم

''یقیں محکم نہ ہو تو عمل کس کام کا، اسی منزل یقین پر جب ابراہیمؑ کو وہ کمال عطا ہوا کہ آگ کی چلے اور ملکوتِ سماواتِ والارض کو دیکھ کر اس کا یقین کر لیا تو کہا جبریل ہٹ جاؤ میرا خالق تم سے بہتر جانتا ہے کہ وہ کب میری مدد کرے۔

ربّ نے حکم دیا، اے آگ ٹھنڈی ہو جا سلامت رکھ ابراہیمؑ کو۔ اب میں جا رہا ہوں اپنے ربّ کی طرف، اب وہی میری ہدایت کرے گا ابراہیمؑ! تمھارا ربّ کہاں نہیں ہے؟

یہ تین منزلیں ہیں آپ کی معرفت طلب نگاہوں اور دلوں کے لیے یہ امور مزید روشنی مہیا کرتے ہیں اِنِّیْ ذَاهِبٌ میں جا رہا ہوں ربّ کی طرف۔ یعنی جہاں ہوں وہیں ہوں۔ مگر سفر کمال انسانیت کی منازل طے کر رہا ہوں۔ خیر کمال بشر میں آگے بڑھ رہا ہوں، اور وہیں ہوں مجھے حرکت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ قدم اٹھا کے رکھنا نہیں ہے۔ بیٹھو اور سفر کرو اپنی جگہ پر رہو اور ترقی کرو۔

پروردگار! تیری طرف آ رہا ہوں۔

اب ایک بیٹا آتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں یقین کا عالم ہے، یقین کی دولتیں ہیں، ابراہیمؑ ضعیف ہیں اور اولاد نہیں ہے۔ ابراہیمؑ کی بیوی ضعیفہ ہیں اور اولاد نہیں ہے، مگر جانتے ہیں یقین اس پر ہے پروردگار! مجھے ایک بیٹا عطا کر۔ ابراہیمؑ! اللہ کی طرف جانے میں اور بیٹے کے لیے دعا میں کیا ربط ہے؟ میں جا رہا ہوں اپنے ربّ کی طرف۔ مجھے بیٹا تو عطا کرتا کہ میرے یقین کا اور بھی امتحان ہو جائے۔ اب اس منزل پر رُکتا ہوں۔ امیر المومنینؑ یقین کی تعریف فرماتے ہیں:

''اسلام تسلیم ہے، تسلیم یقین ہے، یقین نام ہے تصدیق کا، تصدیق اعتراف ہے۔ اعتراف فرض کی بجا آوری ہے اور فرض کی بجا آوری کو عمل کہتے ہیں۔''

تو اسلام نہیں ہے کہ مگر تسلیم، تسلیم نہیں ہے مگر یقین اور جہاں یقین آیا۔ تصدیق کی۔ جہاں یقین نہیں آیا، تصدیق نہیں کی گئی۔

اس لیے کہا گیا ہے کہ عقل کو جو بہترین دولت دی گئی ہے وہ یقین کی دولت ہے۔ یعنی اس کا کام یہ ہے کہ وہ یقین کے ساتھ یہ پہنچانے کہ اللہ پر سچ کون بول رہا ہے اس کی تصدیق کرے اور اللہ پر جھوٹ کون بول رہا ہے؟ اور تکذیب کرے، تصدیق کو

تکذیب عقل کا کام ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جبکہ یقین ہو۔

اسلام نہیں مگر یقین ۔صبح سے شام تک کوئی "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" ہزاروں مرتبہ کہہ جائے مگر یقین نہ ہو تو؟ اور صبح سے شام تک کوئی محمد رسول اللہ کہے جائے اور اگر یقین نہ ہو تو کیا ہوگا۔ایک مرتبہ کوئی یقین سے کہہ دے تو وہ ہزاروں مرتبہ کی بے یقینی کے عالم مین کہنے سے بہتر ہے۔

اس لیے ارشاد فرمایا جناب امیر المومنین علیہ السلام نے:

"عَمَلُ الْقَلِيْلِ بِالْيَقِيْنِ خَيْرٌ مِّنْ كَثِيْرِ الْعَمَلِ بِلَا يَقِيْنٍ"

یقین کے ساتھ عمل قلیل کا انجام دینا اس کثیر عمل سے کہیں بہتر ہے جو بے یقینی کے عالم میں کیا جائے۔

''عبادت کرنے کا شوق اگر شک کے ساتھ ہے، بے یقینی کے ساتھ ہے تو اس سے یقین کے عالم میں سو جانا بہتر ہے۔''

بے یقینی کی عبادت نہ تو اللہ کو پسند ہے، نہ فرشتے اس عبادت کو قبول کر کے لے جاتے ہیں اور نہ انبیاؑ کو یہ عبادت پسند ہے ان کی اُمتوں کی جو بے یقینی میں عبادت کی گئی ہے، تسلیم یقین ہے تو مجھے ایک بیٹا عطا کر!

بیٹا عطا ہوا اور جب یہ بچہ اپنے باپ کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا تو اس سے کہا۔ بیٹے میں دیکھ رہا ہوں خواب میں کہ تم کو ذبح کر رہا ہوں، تمھاری کیا رائے؟

باپ نے خواب کا ذکر کیا بیٹے سے رائے پوچھی۔ باپ ہو تو ایسا ہو، اور بیٹا ہو تو ایسا ہو۔ یہ ابراہیمؑ کے گھرانے کی دولتِ یقین کہ جہاں بیٹے نے بے اختیار فوراً کہا: بابا بجالا یئے، جو حکم آپ کو ملا ہے۔

بیٹے نے یہ نہیں کہا کہ آپؐ نے خواب دیکھا ہے۔ بیٹا خواب کو حکمِ الٰہی سمجھ رہا ہے۔ کہتا ہے کہ ''انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ آپ حکم تو بجالائیں۔''

باپ کے یقین کا یہ عالم کہ خواب کو حکمِ الٰہی جانے۔ اور بیٹا جس نے خواب نہیں دیکھا، باپ کی زبان سے سن رہا ہے، باپ پر اتنا یقین کہ میرا باپ غلطی نہیں کرسکتا۔ ذبح کی منزل پر آئے۔ وہ منزل تھی جب دونوں نے تسلیم کیا۔

"اَلتَّسلِیمُ ھُوَ الیَقِینُ"

ارشادِ الٰہی ہوا: ''ہم نے آواز دی۔ ابراہیمؑ نے خواب کو سچا کردکھایا۔ ہم نیکی کرنے والوں کو یہی صلہ دیتے ہیں۔ یہ کھلا امتحان ہے، ہم نے اسے ذبحِ عظیم سے بدل دیا ہے اور ہم نے چھوڑ دیا اسے آخر زمانے کے لیے، سلام ہو ہمارا ابراہیمؑ پر۔''

یہ یقین کی منزل ہے جہاں باپ خواب میں حکم پائے اور بیٹے کو ذبح کرنے پر آمادہ ہو جائے بیٹا انکار نہ کرے اور کہے، ہاں آپ عمل کیجئے اس گھرانے سے اگر محمدؐ عربی اس یقین کی دولت کو آگے لیکر بڑھتے ہیں اور اگر اپنے چھوٹے نواسے سے یہ کہتے ہیں کہ ''میں تجھ سے ہوں'' تو مجھے اس لیے حیرانی نہیں کہ قرآن نے پہلے ہی کہہ دیا تھا:

''ابراہیمؑ سے قرب رکھنے والا وہ ہے جو ابراہیمؑ پر ایمان لائے۔''

یہ نبیؐ پانچ ہزار برس کے بعد آتے ہیں اور ابراہیمؑ کی منیّت میں جاتے ہیں انسانوں میں سب سے زیادہ قریب ابراہیمؑ سے وہ ہے جو ان پر ایمان لائے۔ یا یہ نبیؐ۔ اور یہ نبیؐ کہتا ہے ''تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔''

دیکھا آپ نے یہ یقین نسلاً بعد نسل آیا اس گھرانے میں آیا۔ اب کیا

ڈھونڈتے کہ ایمان کہاں تھا، کہاں نہ تھا، اسلام کہاں تھا، کہاں نہ تھا؟

یہ گھرانہ یقین کا گھرانہ، صدق وعدالت کا گھرانہ، اوراس گھرانے کی کیفیت ہی یہ ہے کہ جہاں بے یقینوں کو یقین عطا ہو۔

اسی منزل پر بیقرار ہوکر اقبال نے ایک عجیب فیصلہ کیا

؎ آنکہ بخشد بے یقیناں رایقیں　　　آنکہ لرزد از سجود او زمیں

وہ انسان جو بے یقینوں کو یقین عطا کرتا ہے۔ یہ وہ انسان ہے جس کے سجدہ سے زمین کانپتی ہے۔

"لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" کی تلوار کے سائے میں جس کا خون بہے تو اس کے خون کی بوند سے آواز آئے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔ وہ حسینؑ ہے جو بے یقینوں کو یقین بخشتا ہے۔"

۲۸ رجب کو مدینے سے نکلے، ۲۷ کا دن گذرنے کے بعد روضۂ رسولؐ پر آئے، بڑے یقین سے آئے اور ایک مرتبہ روضۂ رسولؐ کو ہاتھ میں تھاما اور آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہا:

"پروردگارا! یہ تیرے نبی محمدؐ کی قبر ہے۔ میں تیرے نبیؐ کی بیٹی کا بیٹا ہوں۔ اب دیکھیے یقین کا عالم! الٰہی وہ وقت آ گیا ہے جس کا تجھ کو علم ہے۔"

یہ یقین ہی کی منزل ہے۔ ابنِ عباس نے حسینؑ سے پوچھا:

مولا! کہاں جائیں گے؟ کہا: عراق جاؤں گا۔

کہا مولا! دشمن بہت ہیں بچے ساتھ ہیں۔ فرمایا: ابنِ عباس! حکمِ الٰہی یہی ہے۔ عرض کیا: بہنوں کو تو چھوڑتے جایئے۔

ناگاہ کسی بی بی کا ہاتھ پردۂ محمل پر پڑا تھا اور آواز آئی۔ ابنِ عباس! کیا تم بہن

کو بھائی سے جدا کرنا چاہتے ہو''؟

ابن عباس نے مناسب نہیں جانا۔

آپؑ نے تسلی دی۔''ابنِ عباس! میرے نانا کا حکم ہے''۔

اسماعیلؑ اپنے پدر گرامی کا حکم لے رہے ہیں۔

حسینؑ ابن علیؑ کہتے ہیں نانا کا حکم ہے۔ اللہ نے بھی یہی چاہا ہے کہ تم اسکی راہ میں قتل ہو جاؤ۔''یقین کی منزل ہے۔''

منزلوں پر منزلیں طے کرتے ہوئے تیسری شعبان کو مکۂ معظّمہ سے چلے، منزل صعلبیہ پر پہنچے۔ بیٹے نے آ کر سلام کیا۔ اور عرض کیا: بابا! میں نے خواب دیکھا ہے کہ آپ کا بایاں ہاتھ کٹ گیا ہے، اور دایاں ہاتھ بھی کٹ گیا ہے، آپؑ کی کمر ٹوٹ گئی ہے۔

کہا: سچ ہے۔ وہ قاسمؑ ہیں جو قتل کئے جائیں گے۔ وہ عباسؑ ہیں جو مارے جائیں گے، میرے اعزا قتل کیے جائیں گے۔ میں کربلا کی طرف جا رہا ہوں۔

آہستہ سے کہا: بابا! وہ آپؑ کا سیدھا ہاتھ کون ہے؟

حسینؑ ابن علیؑ تیزی سے کھڑے ہوئے علی اکبرؑ کا ہاتھ تھاما، اور میدان کی طرف چلے اور کہا۔''علی اکبرؑ! تمھاری ماں سن رہی ہے، بیٹا آہستہ بولو۔ وہ سیدھا ہاتھ تم ہو میرے لال۔''

یقین کی منزل۔ تو علی اکبرؑ نے برجستہ کہا: بابا! کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟

ہم حق پر ہیں بیٹا! ''عرض کیا، جب ہم حق پر ہیں تو ہم کو موت سے ڈر کیا ہے؟''

وہ جس کو یقین کی منزل حاصل ہے، موت سے نہیں ڈرتا، اس کو تیر و سنان و خنجر و شمشیر نہیں ڈرا سکتے، اس کو لشکروں کا ہجوم خائف نہیں کرتا۔ اس طرح سے میدان کربلا میں آئے۔ چوتھی (محرم) سے لشکر پر لشکر آنے لگے حسینؑ کے خیمے دریا سے ہٹائے گئے،

ساتویں سے پانی بند ہوا، آٹھویں اور نویں کو حسینؑ لشکروں کی کثرت کی وجہ سے گھبراتے چلے گئے۔ نویں محرم کو حسینؑ ابن علیؑ محصور ہو چکے تھے۔

اللہ! دسویں کا دن آیا قیامت کا دن تھا۔ ایک کے یقین نے 72 کے دلوں میں یقین پیدا کر دیا۔ اب سب یقین کے عالم میں آگے بڑھے، بھانجے گئے، بھتیجے گئے، اعزاء گئے، احباب گئے، اٹھارہ برس کا لال گیا، بتیس برس کا بھائی گیا، اور اب میرے امام اکیلے رہ گئے۔ سر سے پاؤں تک زخمی تھے۔ خیمہ میں آئے سب کو خدا حافظ کہا۔ عابدؑ بیمار کا بازو تھاما، سورۂ حمد کی تلاوت کی۔ بیمار نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا بابا زخمی ہیں۔ پوچھا بابا! کیا چچا مارے گئے؟ کہا: بیٹا! سب مارے گئے۔

بیمار نے کہا، بابا مجھے اجازت دیجیے۔

کہا: ''نہیں بیٹا، نسلِ محمدؐ کو باقی رہنا ہے''۔ خدا حافظ کہہ کر چلے۔ جاتے جاتے بہن سے صرف اتنا کہا کہ عابدؑ کا خیال رکھنا، اور عابدؑ بیمار تم سب کا خیال رکھیں گے، مگر زینبؑ بددعا نہ کرنا۔ یہ کہہ کر ایک مرتبہ خیمے کے قریب آئے گھوڑے کو آواز دی۔ کوئی سواری کا لانے والا۔ گھوڑا اچل کر آیا۔ بہن نے آگے بڑھ کر رکاب کو تھاما، حسینؑ گھوڑے پر آگے بڑھے، خیمے سے آگے بڑھے مگر گھوڑے نے چلنے سے انکار کر دیا۔

پوچھا، تو گھوڑے نے گردن کو جھکا لیا۔ دیکھا تو گھوڑے کے پاؤں سے سکینہ لپٹی ہیں۔ اسی منزل پر بیٹی کو رخصت کیا۔ کہا سکینہؑ! نہ روؤ بیٹی۔ شاید کہ میں پانی لا سکوں۔

سکینہؑ نے صرف اتنا کہا: ''چچا عباسؑ بھی یہی کہہ کر گئے تھے۔''

حسینؑ گئے کربلا کے میدان میں شام ہوتی گئی۔ سکینہؑ دروازے پر کھڑی رہیں، بابا شائد اب آئیں گے، اب آئیں گے!

ہائے کوئی بیٹی اس طرح سے منتظر نہ ہو۔ شام ہوگئی۔ بابا نہ آئے دوڑ کے پھوپھی کے پاس گئیں۔ پھوپھی اماں! میرے بابا نہیں آئے۔

کہا: ''بیٹا بابا نہیں آئے تو پھوپھی جاتی ہے۔ پھوپھی میدان میں آئیں

ہر طرف آواز دیتی چلیں، میرا بھائی کہاں ہے؟

ایک لاشہ کے قریب پہنچ کر آواز آئی ادھر آؤ بہن ادھر آؤ۔

بھائی کو خدا حافظ کہا، بھائی نے کہا۔ جاؤ، اب خیمے میں جاؤ خیمے سے باہر نہ آنا۔ انتہا تھی ناں شہادتِ حسینؑ، امتحان تھا ناں! قتلِ حسینؑ، اس کے بعد ضرورت کیا رہی تھی۔ لشکرِ شام نے کہا۔" دل تو ہمارا سیر ہو چکا، خیمے تو جل چکے، بچے طمانچے کھا چکے، چادریں لٹ چکیں، اب اتنی اجازت اور دیں کہ قوم عرب جس کو ذلیل کرتے ہیں اس کی لاش کو گھوڑوں سے روندتے ہیں، پامال کرتے ہیں۔

اجازت مل چکی، حرؑ کا قبیلہ سامنے آیا، تلواریں کھینچ لیں، کہا ہمارا سردار امیرِ قوم تھا، بڑی ذلت کی بات ہے اگر اس کا لاشہ پامال ہو۔ ہم اس کی اجازت نہ دیں گے۔ کہا اچھا لے جاؤ۔ ایک ایک قبیلہ آتا تھا۔ ایک ایک کی لاش کو اٹھا کر لے جاتا تھا۔ ساری لاشیں اُٹھ گئیں، مگر کون تھا، وارث اس لاشہ کو اٹھانے والا۔ کربلا کے میدان میں۔

☆☆☆☆

سجدہ

(علامہ رشید ترابی)

﴿ اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ آدَمَ وَ
مِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْرَائِيْلَ وَمِمَّنْ
هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا. اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّداً
وَّ بُكِيّاً.﴾ (سورہ مریم: آیت ۵۸)

یہ سورۂ مریم کی آیت ہے۔اور ظاہری ترجمہ آیت کا یہ ہے۔

یہی وہ ہیں جن پر اللہ نے انعام فرمایا، انبیاء میں سے اولادِ آدمؑ میں سے اور ان میں سے جنہیں ہم نے نوحؑ کے ساتھ (کشتی پر) اُٹھایا، اور ابراہیمؑ و اسرائیل (یعقوبؑ) کی اولاد میں سے اور جن میں سے ہم نے ہدایت یافتہ بنائے اور منتخب کئے، جب ان پر رحمٰن کی آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے تو

﴿خَرُّوْا سُجَّداً وَّ بُكِيّاً﴾

تو روتے روتے سجدے میں گر پڑتے ہیں۔

انبیاءؑ کا شعار سجدہ، انبیاءؑ کا طریقہ سجدہ، اولیاء کی زندگی سجدہ۔محبت کا راز سجدہ، معرفت کی تلاش سجدہ اور پھر اس تذکرے کے ساتھ کہ جن پر ہم نے اپنی نعمتوں کو نازل کیا۔انبیاءؑ میں سے ان کا شعار ہی یہ ہے کہ رحمٰن کی آیتیں ان پر پڑھی جاتی ہیں تو وہ

روتے روتے سجدے میں گر پڑتے ہیں۔

تقاضائے رحمانیت سجدہ۔ جہاں جو عمل والے ہوں کہ وہ اپنے خوانِ کرم سے فرعون کو بھی سرفراز کرے اور موسیٰ کو بھی، ابراہیم کو بھی عطا کرے، نمرود کو بھی، اسی خوانِ کرم پر دوست اور دشمن پرورش پائیں اور اس ہی کی رحمتوں سے موحد اور مشرک استفادہ کریں تو وہ رحمٰن اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ "اے انسان اب تو سجدہ کر دے" یہ وہ منزل ہے کہ جہاں میں مختصر سی توجہ کا طالب ہوں۔

قرآن مجید میں لفظ سجدہ چونسٹھ مقامات پر آیا ہے۔ اگر آپ قرآن مجید کی تلاوت کے دوران مسلسل دیکھتے ہوئے جائیں تو ایک مقام پر آپ کو یہ ارشاد بھی ملے گا سورۂ رعد میں کہ

﴿ وَ لِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ طَوْعاً وَّكَرْهاً وَظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ﴾ (سورہ رعد: آیت ۱۵)

اسی کو سجدہ کرتے ہیں زمین وآسمان میں جو بھی ہے "مَنْ" ذوی العقول کے لیے ہے۔

﴿وَ لِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾

اور ان کے اظلال کے سائے فقط یہی نہیں کہ جہاں آفتاب کسی چیز کو اپنے سامنے حائل دیکھ کر سایہ ڈال دے ان کے اثرات جہاں تک جائیں ان کا نفوذ جہاں جہاں تک جائے ان کا ظل بننے کی جو جو کوشش کرے وہ سب کے سب سجدہ کرتے ہیں ان کے اظلال بھی سجدہ کرتے ہیں ان کے سائے بھی سجدہ کرتے ہیں۔

اس کے بعد سورۂ نحل میں ارشاد ہوا:

﴿ وَ لِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَ هُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ۔ ﴾ (سورہ نحل: آیت ۴۹)

یہ ''مَـــا'' غیر ذوی العقول کے لیے ہے۔ ''ہر وہ شئے سجدہ کرتی ہے جو بھی آسمانوں میں ہے اور جو بھی زمین میں ہے وہ ذوی العقول ہو تو سجدہ کرے، غیر ذوی العقول ہو تو سجدہ کرے۔ کائنات کی کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو سجدے کا انکار کرے۔ ایک ایک ذرّہ مقامِ تمجید پر ہے:

﴿ وَ اِنْ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْماً غَفُوْراً۔ ﴾

(سورہ بنی اسرائیل: آیت ۴۴)

کوئی شے ایسی نہیں جو اپنے ربّ کی تسبیح نہ کرتی ہو، مگر یہی کہ تم اس کی تسبیح کو نہیں سمجھ سکتے۔

مَا مِنْ شَیْءٍ اِلَّا لَهٗ لِسَانٌ لِّتَكُنِ التَّسْبِيْحُ۔

کوئی شے ایسی نہیں ہے جس کی زبان ملکوتی نہ ہو جس سے تسبیح و تقدیس و تہلیل اور تمجیدِ الٰہی نہ ہوتی ہو۔

ساری کائنات تسبیح کی منزل پر ہے اور پھر تسبیح و تقدیس کا کمال انتہائے بندگی، کچھ منازل کے بعد پہلی منزل جہاں توجہ ایک طرف ہو، رخِ حیات ایک طرف ہو۔

﴿ لِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا ﴾۔

ہر ایک کے لیے ایک رخِ حیات ہے وہی اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے آپ کھڑے ہو گئے یہ قیام ہے۔

﴿وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ﴾

(الانعام: آیت ۷۹)

توجہات کو اپنے خالق کی طرف معطوف کررہا ہوں، آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے کی طرف مبذول کررہا ہوں، اور یقیناً میرا قیام اسی لیے ہے۔

یہ ایک صورتِ بندگی ہے اور پھر رکوع کہ جہاں یہ بھی پسند نہ ہوا کہ میں حالتِ قیام میں اپنی انا کو منواؤں، یہ قیام بھی نہیں، بلکہ رکوع ہے۔اوراس کے بعد تیسری منزل انتہائی منزلِ عبادت ہے کہ جہاں نہ قیام پسند ہے نہ رکوع، اب سجدہ چاہیے، اب فنائے ذات چاہیے۔ اب ہمیں اپنی بقا نہیں کسی اور کی بقا منظور ہے۔ سجدہ شرافت انسان، سجدہ کمالِ حیاتِ انسان، اب دل تڑپے، تو سجدہ کرے نعمت ملے تو سجدہ کرے، ذرا سی کوئی اچھی بات ہو جائے تو سجدہ کرے۔ یہ سجدے کی حالت انسان کو کامران وکامیاب بنائے گی۔ نہ گھبراؤ سجدے سے، نہ بھاگو سجدے سے، منہ نہ پھیرو سجدے سے

؎ حریم تیرا خودی غیر کی معاذ اللہ
دوبارہ زندہ نہ کر کاروبارِ لات و منات
وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

اس طرح سے انسان ساری زندگی میں ان لمحات کی قدر کرے کہ جہاں دل تڑپ کے یہ چاہے کہ چلو سجدہ کریں۔ یعنی یہ ضروری نہیں کہ وقت سجدہ آئے یہ ضروری نہیں کہ وقت عبادت رہے۔ بھئی ذرا سی نعمت ملی سجدہ، ذرا سی خطا نظر آئی سجدہ، ذرا سی خوشی معلوم ہوئی سجدہ نہیں ذرا سا غم آ گیا سجدہ، ذرا سا اندوہ پیدا ہو گیا سجدہ، غم و ہم میں اور خوشی و مسرت میں سجدے کی عادت، یہ انبیائے کرامؑ کا شعار ہے مگر اس کے ساتھ

﴿وَ مَا رَبُّ الْعَالَمِیْنَ﴾ ربّ العالمین کیا چیز ہے؟

موسیٰ نے بتلایا:

﴿رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَیْنَهُمَا۔ اِنْ كُنْتُمْ مُوْقِنِیْنَ۔﴾

(سورہ شعراء: آیت ۲۴)

اگر تم یقین کرو تو (سنو!) وہ ربّ ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے۔

فرعون نے اپنے درباروالوں سے کہا، سنتے ہو یہ کیا کہہ رہا ہے؟

بے اختیار فوراً موسیٰؑ نے کہا:

﴿رَبُّكُمْ وَ رَبُّ آبَائِكُمُ الْاَوَّلِیْنَ﴾ (فرقان: آیت ۲۶)

جو تمھارا ربّ ہے اور تمھارے پہلے باپ دادا کا ربّ ہے۔

اہلِ دربار نے کہا کہ یہ تو مجنون ہوگیا ہے۔ مگر موسیٰ رُکتے نہیں ہیں

﴿رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَ مَا بَیْنَهُمَا اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾

(سورہ شعراء: آیت ۲۸)

وہ مشرق کا بھی ربّ ہے اور مغرب کا بھی ربّ ہے اگر تم یقین کرو۔

اس نے کہا کہ ہم تم کو سزا دیں گے اور تجویز قرار پائی کہ جادوگروں کو بلایا جائے تاکہ وہ اپنے سحر سے موسیٰ کو شکست دیں۔ جادوگر جمع ہوئے۔

﴿فَاَلْقٰی مُوْسٰی عَصَاهُ﴾

پس موسیٰ نے اپنے عصا کو پھینک دیا۔

اور جیسے جیسے ان جادوگروں کی رسیاں سانپ بنتی جارہی تھیں موسیٰ کا عصا ان

سب کو نگلتا جارہا تھا۔اس کیفیت کو دیکھ کر:

﴿ فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سٰجِدِیْنَ۔﴾ (سورہ شعراء:۴۶)

پس جادوگر سجدے میں گر پڑے۔

اور بے اختیار کہا:

﴿ اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ (سورہ شعراء:۴۷)

ہم عالمین کے ربّ پر ایمان لائے۔

کون عالمین کا ربّ؟ نسبت بھی چاہیے تھی۔کہا:

﴿رَبِّ مُوْسٰی وَھٰرُوْنَ۔﴾ (سورہ شعراء:۴۸)

ہم موسیٰؑ وہارونؑ کے ربّ پر ایمان لائے۔

فرعون نے بگڑ کر کہا:

﴿اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ۔﴾ (سورہ شعراء: آیت ۴۹)

تم میری اجازت کے بغیر ایمان لائے ہو۔

﴿لَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ﴾

(سورہ شعراء: آیت ۴۹)

یقیناً اب میں تمھارے ہاتھ اور پاؤں مختلف سمتوں سے کاٹوں گا یعنی سیدھا ہاتھ، بایاں پاؤں اور بایاں ہاتھ سیدھا پاؤں۔

﴿ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴾۔

اور تم سب کو صلیب (سولی) پر لٹکا دوں گا۔

چونکہ وہ سجدہ کر چکے تھے اور سجدے کی طاقت یہ تھی کہ بے اختیار کہنے لگے:

﴿ لَاضَيْرَ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴾ (سورہ شعراء:۵۰)

اب ہم کوڈر نہیں، ہم اپنے ربّ کی طرف منقلب ہونے والے ہیں۔

یہ سجدے کی طاقت تھی کہ جو پیشانی سجدے میں جھک پڑتی ہے وہ غیر حق سے اور غیر معبود سے پھر کسی منزل پر اپنی عاجزی یا اپنی تواضع کا اظہار نہیں کرتی، بلکہ اس میں ایک ایسی قوت آتی ہے جو فرعون کی ساری سزاؤں کے اعلان کے بعد بھی اس کے جادوگر کہتے ہیں کہ ہم تو منقلب ہو گئے۔

سجدہ بدل دیتا ہے ہستی کو، سجدہ بدل دیتا ہے فطرت کو، سجدہ منقلب کر دیتا ہے، سجدہ انبیاء کے گروہ نے کیا، سجدہ اولیاء کے گروہ نے کیا، سجدہ انھوں نے کیا جنھوں نے رحمٰن کو مانا۔

پھر اس منزل پر پیغمبرؐ کو سورہ شعراء میں حکم ہے کہ

﴿ وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ۔ الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ۔ وَ تَقَلُّبَكَ فِى السّٰجِدِيْنَ۔ ﴾ (سورہ شعراء:۲۱۷،۲۱۸،۲۱۹)

تو اپنے ربّ پر بھروسہ کر کہ جو تجھے قیام کی حالت میں دیکھتا ہے، جہاں بھی تو کھڑا ہوتا ہے، جب تو بدل بدل کر سجدہ کرنے لگتا ہے۔

اس کی تفسیر امام فخر الدین رازی نے کی کہ

﴿ تَقَلُّبَكَ فِى السّٰجِدِيْنَ ﴾.

کہ تو ساجدین میں کروٹیں لے رہا تھا۔

تو انہوں نے کہا کہ آبائے پیغمبرؐ ہیں یہ اجدادِ پیغمبرؐ ہیں، جو سب کے سب سجدہ کرنے والے تھے۔ جو سب کے سب رحمٰن کو ماننے والے تھے۔ جو سب کے سب ربّ

العالمین کو ربّ العالمین جاننے والے تھے۔ پیغمبرؐ کے آباء واجداد ساجدین میں تھے۔

اور وہ جن کو پیغمبرؐ نے ادب سکھلایا، ان کا یہ عالم ہے کہ جب قرآن نے ان کا قصیدہ شروع کیا تو آواز دی:

﴿اِنَّ اللّٰه اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ وَ اَمۡوَالَهُمۡ بِاَنَّ لَهُمُ الۡجَنَّةَ﴾

(سورہ توبہ:۱۱۱)

اللہ نے صاحبانِ ایمان سے ان کے نفوس کو اور ان کے اموال کو خرید لیا ہے یہ کہہ کر ابدی نعمتیں (جنت) دیں گے۔

﴿یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ فَیَقۡتُلُوۡنَ وَ یُقۡتَلُوۡنَ﴾

اللہ کی راہ میں قتل کرتے ہیں قتال کرتے ہیں اور قتل ہو جاتے ہیں۔

﴿وَعۡداً عَلَیۡهِ حَقّاً فِی التَّوۡرٰةِ وَ الۡاِنۡجِیۡلِ وَ الۡقُرۡآن﴾

یہ وعدہ حق ہے۔ تورات میں اور انجیل میں اور قرآن میں۔

﴿وَ مَنۡ اَوۡفٰی بِعَهۡدِهٖ مِنَ اللّٰهِ﴾

اور اللہ سے بڑھ کر وعدہ پورا کرنیوالا کون ہے؟

﴿فَاسۡتَبۡشِرُوۡا بِبَیۡعِکُمُ الَّذِیۡ بَایَعۡتُمۡ بِهٖ وَ ذٰلِكَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ۔﴾

(سورہ توبہ: آیت ۱۱۱)

اور سنو! یہ تمھارے لیے فوزِ عظیم ہے اس سودے پر ناز کرو۔

کون ہیں قتل ہونے والے یہ قتل کرنے والے نفسوں کو بیچنے والے، یہ کون ہیں؟

﴿اَلتَّآئِبُوۡنَ الۡعٰبِدُوۡنَ الۡحٰمِدُوۡنَ السَّآئِحُوۡنَ الرَّاکِعُوۡنَ السّٰجِدُوۡنَ﴾

یہ توبہ کرنے والے، یہ روزہ رکھنے والے، عبادت گزار، یہ حمد کرنے والے، یہ

﴿لَا تُطِعْهُ﴾ خبردار! اس کی اطاعت نہ کرنا۔

آخر کے دو لفظ (اس آیت کے) اگر میں پڑھتا ہوں تو سجدہ واجب ہو جائے گا۔ صرف اس کے ترجمے پر اکتفا کرتا ہوں۔ کہ: خبردار! اس کی اطاعت نہ کرنا، سجدہ کر کے مجھ سے تقرب حاصل کر (مجھ سے مل جا)۔

پیغمبرؐ کو وحی میں یہ نسخہ بتلایا۔ حسینؑ نے آخری سانس تک اس پر عمل کیا۔ یعنی اطاعت نہیں کریں گے، بلکہ تقرّب کے لیے سجدہ ﴿کَلَّا لَا تُطِعْهُ﴾ خبردار! اس کی اطاعت نہ کرنا، سجدہ کرنا اور قرب پالینا، اور اس شان سے کہ کوئی سجدہ کرنے والا، جہاں کائنات لرز جائے۔ ایسا سجدہ!

سجدے کی تیاری کے لیے قیام ختم ہوا، رکوع ختم ہوا، سجدے کی تیاری کے لیے کائنات کو چھوڑ رہا ہے۔ بیٹا نہیں، بھائی نہیں بھتیجے نہیں بھانجے نہیں اب گھر نہیں اہل حرم نہیں، نہیں نہیں بلکہ میں بھی نہیں۔ اب میں اور میرا معبود۔ یہ بھی سجدے کی منزل ہے۔ یہ سجدے کا مقام، کس شان سے سجدہ حسینؑ کو منظور ہے۔ کس شان سے سجدہ میرے آقا و مولا حسینؑ کو منظور ہے۔ یہ پیغمبرؐ کا نواسہ ہے۔ اس نے اپنے نانا کو بھی سجدے میں دیکھا ہے۔ بہت نزدیک سے دیکھا ہے کاندھے پر سوار ہو کر دیکھا ہے۔ حسینؑ کو معلوم ہے سجدے کا اخلاص، اور اخلاص بندگی کیا ہے، اس سجدے کی تیاری میں سب کچھ چھوڑ کر چلے۔ اور آواز دی:

یَا زَیْنَبُ یَا اُمَّ کُلْثُوْم یَا رُقَیَّةُ یَا سَکِیْنَةُ عَلَیْکُنَّ مِنِّی السَّلَامُ!

تم سب پر میرا اسلام سب کو رخصت کیا، سوار ہوئے، مقتل میں آئے۔ ہائے وہ دسویں محرم کی نمازِ عصر۔ نمازِ ظہر کا وقت ختم ہو چکا، عصر کی تیاری ہے۔ حسینؑ آخری سجدے کے لیے بے چین ہیں کچھ دیر تو حملہ کیا، خوب لڑے فاتحِ خیبر کا لال تھا، کیسے نہ لڑتا۔ ایک مرتبہ لاش پسر نظر آئی کہا

تم نے نہ دیکھی جنگِ پدر، اے پدر کی جاں!

اس کے بعد تلوار کو روک لیا۔ زخمی ہوتے چلے گئے۔ ذوالجناح کی گردن میں ہاتھ ڈالدیئے کربلا کے میدان میں کون بین کرے، کون فریاد کرے۔ محمدؐ کی بیٹی چیختی ہوئی کہہ رہی تھا کہ: زینبؑ نکل! کبھی کہہ رہی تھی کہ

جنگل سے آئی فاطمہؑ زہرا کی یہ صدا
امت نے مجھ کو لوٹ لیا وا محمداً
اس وقت کون حقِ رفاقت کرے ادا
ہے ہے یہ ظلم اور دو عالم کا مقتدا
اُنیس سو ہیں زخم تنِ چاک چاک پر
زینبؑ نکل! حسینؑ تڑپتا ہے خاک پر
اے ارضِ کربلا میرا بچہ ہے بے گناہ
اے دشتِ نینوا میرا بچہ ہے بے گناہ
اے نہرِ علقمہ! میرا بچہ ہے بے گناہ
اے دہرِ بے وفا میرا بچہ ہے بے گناہ
گھیرا ہے ظالموں نے میرے نورِعین کو
اے ذوالفقار! تجھ سے میں لوں گی حسینؑ کو

حسینؑ ابنِ علیؑ پشت ذوالجناح پر جھک رہے تھے۔ دو ہاتھ کانپتے ہوئے نکلے زمین سے۔ ایسے میں حسینؑ ابن علیؑ زمین پر آئے۔ اور آتے ہی وعدۂ طفلی یاد آیا۔ انبیاؑء کی سیرت تھی۔ وہ وارثِ محمدؐ تھے، وہ وارثِ علیؑ تھے۔ گرتے ہی سجدہ کیا۔ یہی سجدہ ہے کہ جلتی ریت پر پیشانی کو رکھ کر آواز دی

رِضاً بِقَضَائِہٖ وَ تَسۡلِیۡماً لِاَمۡرِہٖ۔

میں تیری قضا پر راضی ہوں اور تیرے امر کو تسلیم کرتا ہوں۔

وَ صَبۡراً عَلٰی بَلَآ ئِكَ۔ اور تیرے امتحان پر صبر کرتا ہوں۔

لَا مَعْبُوْدٌ سِوَاكَ۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

یَا غِیَاثَ الْمُسْتَغِیْثِیْنَ !

اور آخر میں سجدے میں ایک دعا کی اور عجیب دعا کی: پروردگار! میں نے اپنے وعدے کو پورا کیا۔ اب تو اپنے وعدے کو پورا کر۔

سجدہ ختم ہوا۔ سر نہیں اٹھایا گیا۔ کربلا کے میدان میں شام ہوئی، ہائے شامِ غریباں! ایسے موقع پر بہن بھی آئیں، بھائی کو سلام کیا۔ رخصت ہو گئیں، مگر سکینہؑ کہہ چکی تھیں کہ میں رات کو مقتل میں چلی آؤں گی بابا۔

جب خیمے جل چکے تو زینبؑ نے بچوں کو گننا شروع کیا۔ تو دیکھا کہ سکینہؑ نہیں ہے۔ ایک مرتبہ جلے ہوئے خیموں میں ڈھونڈتی رہی۔ عابدؑ بیمار سے پوچھا، اُم کلثومؑ سے پوچھا، ایک ایک بی بی سے پوچھا، سکینہؑ تو نہیں ہے؟

کسی نے جواب نہیں دیا، ہر طرف آواز دی۔ ہر طرف ڈھونڈتے ہوئے پھریں۔ جب کہیں سے کوئی جواب نہ آیا، تو دریا کی طرف گئیں، آواز دی۔ عباسؑ! سکینہؑ نہیں ہے۔

کوئی جواب نہیں آیا۔ جلدی جلدی قتل گاہ میں آئیں، کہا بھائی! کیا سکینہؑ یہاں آئی ہے؟ آواز آئی، زینبؑ آہستہ بولو سکینہؑ ابھی ابھی سوئی ہے۔ سکینہؑ سینے پر سو رہی ہے۔ زینبؑ نے جا کر سکینہؑ کا بازو تھاما اور کہا۔ اُٹھو سکینہؑ اس طرح سے راتوں کو کوئی گھر چھوڑ کر نہیں جاتا۔ کہا پھوپھی اماں! میرے بابا بھی تو اکیلے سو رہے ہیں ان کو تنہا نہیں چھوڑوں گی۔

اَلَا لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ۔

☆☆☆

دُعا

(علامہ نصیر الاجتہادیؒ)

﴿وَ اِذَا سَأَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ. اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ۔﴾

(سورہ بقرہ: آیت ۱۸۶)

اے میرے حبیبؐ! جب تجھ سے سوال کرتے ہیں میرے بارے میں تو ان سے کہہ دو کہ میں تمہارے قریب ہوں۔ ہر سوال کرنے والے کے سوال کو سنتا ہوں۔ ہر مناجات کرنے والے کی مناجات کو سنتا ہوں۔ ہر دُعا مانگنے والے کی دُعا کو سنتا ہوں۔

ایک اور مقام پر خداوند تعالیٰ ارشاد فرمارہا ہے:

﴿اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ۔﴾

مجھے پکارو میں تمہاری دُعاؤں کو سنتا ہوں۔

جب میرا بندہ مجھے پکارتا ہے تو میں سات مرتبہ اسے جواب دیتا ہوں۔

یہی وجہ ہے کہ جب فرعون نے پکارا یہ اس وقت کی بات ہے جب حضرت موسیٰؑ نے کہا تھا فرعون کو کہ تو تین دن کے اندر اندر تباہ ہو جائے گا۔ اسے یقین تھا کہ موسیٰ نبی ہے۔ معصوم ہے۔ ہادی برحق ہے۔ سچ کہہ رہا ہے۔ آدھی رات کو اٹھ کے کہہ رہا ہے۔ پالنے والے خدا تو ہی ہے۔ تو خدا نے فرعون کی سن لی اور فرعون کو کچھ نہ ہوا۔ موسیٰؑ

بارگاہ خداوندی میں عرض کرتا ہے۔ بارالہا! یہ کیا ہوا؟ فرعون بچ گیا۔ فرمایا موسیٰ وہ میرا بندہ ہونا بھول گیا تھا۔ میں اس کا خدا ہونا تو نہیں بھولا۔ (نعرۂ حیدری)

لہذا حکم ہے کہ دُعا اسی سے کرو۔ وہ سنتا ہے۔ اسی لیے تو معصوم نے فرمایا:

اَلدُّعَاءُ اَنْفَذُ مِنَ السِّنَانِ الْحَدِيْدِ۔

دعا لوہے سے بھی زیادہ سخت ہے۔ اور دوسرے ہادی ارشاد فرماتے ہیں:

عَلَيْكُمْ بِسِلَاحِ الْمُؤْمِنِ قِيْلَ وَمَا سِلَاحُ الْمُؤْمِنِ قَالَ اَلدُّعَاءُ۔

تم کیوں نہیں مومنوں کے ہتھیار سے مسلح ہوتے۔ کہا وہ مومنوں کے ہتھیار کیا ہیں۔ قَالَ: اَلدُّعَاءُ کہا وہ دعا ہے۔

اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ اَلدُّعَاءُ مُخُّ الشَّرِيْعَةِ دعا مغزِ عبادت ہے۔ دعا مغزِ شریعت ہے۔ امام موسیٰ کاظمؑ ارشاد فرماتے ہیں۔ جتنا دروازہ زیادہ کھٹکھٹاؤ گے اتنا جلدی کھلے گا۔ بارالہا! ہم فقیر ہیں۔ تُو امیر ہے۔ ہم سراپا نیاز ہیں۔ تو بے نیاز ہے۔ ہم کشکولِ گدا تو دستِ عطا۔ فیضِ توفیق سے ہمارے جام چھلکتے رہیں۔ رحمت کے دروازے کھلتے رہیں۔ نسیمِ کرم کے قافلے چلتے رہیں۔ دِل کے غنچے کھلتے رہیں۔

يَادَافِعَ النِّقَمِ يَاذَا الْجُوْدِ وَالْكَرَم ۔ ہر قطرے سے پوچھو یہی التجا ہے۔ جس ذرے کو چیرو یہی صدا ہے۔ جس پھول کو توڑو یہی ندا ہے۔ جس ستارے سے پوچھو یہی مدعیٰ ہے۔ ریت کے ذرّے سے لیکر صحرا تک۔ قطرے سے لیکر دریا تک، پھول سے لے کر گلستان تک۔ ستارے سے لیکر کہکشاں تک۔ مکان سے لے کر لامکاں تک۔ جس جس شئے کو وجود و شہود ملا ہے وہ ہر آن بارگاہِ خداوندی میں دُعا کر رہی ہے۔ (نعرۂ حیدری)

اور یہ دُعا ہر آن حضورِ الٰہی پہ جاری ہے۔ اسی لیے تو عالم پہ فیضِ باری ہے۔ ہر

چیز اسی سے مانگ رہی ہے۔ طلب کر رہی ہے۔ ہیکل برگسلان، رومی اور ابنِ رُشد چاہے وقت کی تعریف کچھ کریں۔ لیکن میں وقت کی تعریف یوں کرتا ہوں کہ وقت صرف دو ہی ہیں۔ ایک وہ ہے جو تشکیل دُعا کے اضطرار میں گذر رہا ہے اور دوسرا وہ ہے جو تکمیل دُعا کے انتظار میں گذر رہا ہے۔ (نعرۂ حیدری)

• مومن اور موحد کی بھی قید نہیں۔ کافر و مشرک بھی اسی سے مانگ رہا ہے۔ دل انکار کر رہا ہے۔ مگر دھڑکن کہہ رہی ہے کہ دھڑکتا رہے۔ زبان منکر ہے مگر جنبشِ زباں خود دُعا ہے کہ چلتی رہے۔ دولت قائم رہے۔ یہ خواہش اب کس سے ہے۔ اگر اپنی ذات سے ہے تو تکمیل دعا میں دیر کیوں ہو رہی ہے۔ اگر غیر سے ہے تو پھر غور کرو کہ وہ غیر کون ہے۔ تو قرآن پکار کر کہے گا:

﴿وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰه فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ۔ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ يَقْدِرُ لَهٗ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ۔﴾ (سورہ عنکبوت: آیت ۶۱)

اے میرے حبیبؐ! اگر ان سے پوچھو کہ زمین و آسمان کو خلق کرنے والا کون ہے تو کہیں گے (یہ کافر لوگ) کہ اللہ ہے۔ تو پھر کہا بھٹک رہے ہو۔ ہر شئے اسی سے مانگ رہی ہے۔ مومن و موحد کی بھی قید نہیں ہے۔ کافر و مشرک بھی اسی سے مانگ رہا ہے۔ مدعیٰ وہی ہے۔ نقطہ مرکزی وحدت تھا۔ مانگتے سب اللہ سے ہیں۔ بتوں سے کوئی نہیں مانگتا۔ معلوم ہوا کہ کچھ خود ساختہ وسیلوں سے مانگتے ہیں اور کچھ خدا ساختہ وسیلوں سے مانگتے ہیں۔ (نعرۂ حیدری)

ربّ ایک ہی ہے۔ مگر جلوۂ ربّ میں اختلاف ہو گیا۔ کسی نے اس کو شمس میں

دیکھا۔ کسی نے لیل ونہار میں دیکھا۔ کسی نے شجر میں دیکھا۔ کسی نے حجر میں دیکھا۔ کسی نے قمر میں دیکھا۔ کسی نے قبوس میں دیکھا۔ کسی نے مہاتمابدھ کے مجسمے میں دیکھا۔ کسی نے برہمن کی لکشمی دیوی میں دیکھا۔ کسی نے صنم میں دیکھا۔ کسی نے مریمؑ میں دیکھا۔

کسی نے منزل میں پکارا۔ کسی نے مندر میں پکارا۔ کسی نے کلیسا میں پکارا، کسی نے صومعہ میں پکارا، کسی نے آتش کدے میں پکارا، کسی نے دَیر میں پکارا، کسی نے نماز میں پکارا، کسی نے حرم میں پکارا، کسی نے جلدی میں پکارا، کسی نے دیر سے پکارا، کسی نے بڑھاپے میں پکارا، کسی نے پیدا ہوتے ہی پکارا،

مسلم نے ہوش آتے ہی پکارا۔ کافر نے رودِ نیل میں بے ہوش ہوتے ہی پکارا، فرعون کا آخری وقت ہے۔ یہ وہی جو کہتا تھا: اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى۔

میں تمہارا سب سے بڑا خدا ہوں۔ وہاں دستِ جلیل تھا۔ جہاں کہتا تھا:

اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى۔

یہ رودِ نیل ہے جہاں کہہ رہا ہے بچالے خدایا۔ حکمتِ الٰہیہ دیکھ لی آپ نے۔ پالنے والے جب اس نے اپنے آپ کو اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى کہا تھا۔ تو بجلی گرا کر خاکستر کر دیتا۔ پالنے والے ضربِ کلیم سے دو ٹکڑے کر دیتا۔ فرمایا نہیں! میرا جلال اس انتظار میں تھا کہ جس منہ سے اس نے اپنے آپ کو خدا کہا تھا اسی منہ سے میں اپنے آپ کو خدا پکار وا کے رہوں گا۔ یہ تو تھی حکمتِ الٰہیہ۔ اب سنتِ الٰہیہ دیکھو تو اصلی خدا کا اور نقلی خدا کا فرق محسوس ہو کہ جب نقلی خدا پر کوئی مصیبت آتی ہے تو اصلی کے پاس جا کر کہتا ہے بچالے میں مر گیا۔ (نعرۂ حیدری)

اسٹالن منکر خدا تھا۔ اللہ کو نہیں مانتا تھا۔ لیکن جب جرمن نے اسٹالن کے رڈار

پر حملہ کیا تو انہوں نے کہا کہ مسجدوں میں کہہ دو کہ دعائیں کی جائیں۔ کلیساؤں میں کہہ دو کہ گھنٹے بجائے جائیں۔ تو قرآن نے سچ کہا ہے کہ:

﴿وَ اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ (سورہ یونس:۱۲)

جب انسان پہ کوئی مصیبت آتی ہے۔ تو وہ ہم ہی کو پکارتا ہے اور جب ہم اس کی تکلیف کو دور کر دیتے ہیں۔ تو وہ یوں رُخ پھیر کر چلتا ہے۔ کہ گویا اس نے ہمیں کبھی پکارا ہی نہیں۔ وہ فرعون ہو کہ نمرود۔ کافر ہو کہ شیطان مردود، ہر ایک اسی سے مانگ رہا ہے۔ ذرا دیکھئے شیطان سرکشی کر رہا ہے۔ سرتابی کر رہا ہے۔ سجدہ نہیں کروں گا۔ تیرے دین کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔ تیرے راہِ حق پہ روگ بن کے کھڑا ہو جاؤں گا۔ لیکن سوال تجھ سے کر رہا ہوں

﴿فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ﴾ شیطان جانتا ہے کہ دینے والا کون ہے اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ جس سے مانگ رہا ہے وہ ظرفِ کریم رکھتا ہے۔

﴿اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ﴾ جاؤ ہم نے تمہیں قیامت تک مہلت دی۔

خدا دشمن کو دیتا ہے۔ پروردگار دشمن ازلی کو دیتا ہے اور جانتا ہے کہ جب تک جیئے گا گمراہی پھیلائے گا۔ تو جواب ملے گا۔ ہاں ہم یہ اس کے پچھلے سجدوں کا قرض ادا کر رہے ہیں۔ ہم نے اس سے سرمایہ بندگی لے لیا۔ سرمایہ زندگی دے دیا۔ ہم دوستوں کو بھی دیتے ہیں۔ دشمنوں کو بھی دیتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ دوستوں کے ہاتھوں کو اٹھا کے دیتے ہیں۔ دشمنوں کو محفل سے اٹھا کے دیتے ہیں۔

دُعا فطرتِ انسانی ہے۔ خواہ مشرک ہو۔ خواہ کافر ہو۔ خواہ موحّد ہو۔ خواہ بُت پرست ہو۔ خواہ بُت شکن ہو۔ خواہ دورِ حجری کا افریکن ہو۔ خواہ عصرِ شمسی کا امریکن ہو۔ خواہ جرمن ہو۔ خواہ مدنی ہو۔ خواہ طوسی ہو۔ خواہ روسی ہو۔ دُعا پر ہر ایک پابند ہے۔ دعا پر ہر ایک مجبور ہے۔ بقول پروفیسر ویلم جین کے کہ سائنس کتنے ہی ہاتھ پاؤں کیوں نہ مارے جب تک یہ کائنات قائم ہے۔ دعا کا سلسلہ قائم ودائم رہے گا۔ ارے یہ پچاس 50 سال پرانی بات تھی۔ اب ڈاکٹر چارلس مشہور سائنسدان کہتے ہیں کہ ہم اپنی لیبارٹریز میں دعا کو لے کر جائیں گے۔ تاکہ اس سے قوت حاصل کریں۔ انرجی حاصل کریں اور ڈاکٹر نوبل تو یہاں تک کہتے ہیں۔ کہ اگر تم دنیا میں امن چاہتے ہو تو نہ ایٹم بموں کے براق سے ملے گا نہ برقی اسلحوں کی بہتات سے ملے گا۔ بلکہ پرسوز دعاؤں کے اثر سے ملے گا۔ جو دلوں کے اعماق سے نکلتی ہیں کہ جو بتاتی ہیں کہ ہم امن چاہتے ہیں۔ دعا جو ہے وہ خطیب امن ہے۔ نصیب امن ہے۔ پس جو دعا کرتے ہیں سمجھ لو وہ باامن ہیں۔

مقصدِ شریعت بھی اور مقصد احکام الٰہی بھی دعا ہے۔ اسی لیے تو حضور کی حدیث ہے کہ

اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ ، اَلدُّعَاءُ مُخُّ الشَّرِيْعَةِ.

دعا مغزِ عبادت ہے۔ دعا مغزِ شریعت ہے۔

جتنے ہی فروعِ دین ہیں وہ سب دُعا کے مظہر ہیں۔ یہی دعا کبھی رکوع وسجود، قیام وقعود کی شکلِ نماز ظاہر ہوتا ہے اور یہی جذبہ دعا کبھی مبطلات سے منہ پھیر کر۔ رحمت حق کو گھیر کر شکلِ صُوم ظاہر ہوتا ہے۔ اور کبھی یہی جذبہ دُعا سعی مرویٰ وصفاء طواف خانہ کعبہ بصورتِ حج ظاہر ہوتا ہے۔ اور کبھی یہی جذبہ دُعا مال مملوکہ میں سے ایک حصہَ خاص جُدا کر کے دینا بصورتِ زکواۃ ظاہر ہوتا ہے۔ اور کبھی یہی جذبہَ دُعا مقتل میں

تُو ذکر قلب وجگر کو شمشیر و خنجر پہ رکھ کر بصورتِ جہاد ظاہر ہوتا ہے۔

اسی لیے تو انبیائے کرام کا محور دُعا رہا۔ انبیائے کرام کی زندگی کے دو ہی جزو ہیں۔ یا دُ عَا اِلَی الْحَقِ یا دَعْوَۃُ اِلَی الدُّعَا. دو ہی محور ہیں۔ یا دعا کر رہے ہیں یا حق کی طرف بلا رہے ہیں۔ انبیائے کرام نے بتلایا کہ پروردگار کو کس طرح سے پکارو۔ کس لہجہ میں پکارو۔ کبھی کبھی پکارو یا ہر گھڑی پکارو۔

﴿رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّاراً۔﴾

پروردگار! زمین پر کوئی بھی کافر رہنے نہ پائے۔

حضرت ابراهیمؑ نے پکارا :

﴿رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْداً وَّ اَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِيْنَ﴾۔

پروردگار! مجھے تنہا نہ چھوڑنا۔ تو بہترین وارث ہے۔

حضرت ابراھیمؑ نے پکارا :

﴿رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْماً وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ﴾۔

پروردگار مجھے حکم عطا کر اور مجھے صالحین میں داخل کر۔

حضرت ایوبؑ نے پکارا :

﴿اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ﴾

پروردگار! میں بیمار ہوں صحت عطا فرما۔

حضرت زکریاؑ نے پکارا :

﴿رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَا﴾۔

پروردگار! پاک و پاکیزہ اولاد عطا کر۔ تو ہی دُعا کا سننے والا ہے۔

پھر حضرت ابراہیمؑ نے پکارا:

﴿رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ﴾

پروردگار! مجھے اور میری اولاد کو نماز کا پابند بنادے۔

حضرت یونسؑ نے پکارا:

﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾۔

پروردگار قصوروار ہوں۔ پاک و پاکیزہ تو تیری ذات ہے۔

حضرت آدمؑ نے پکارا:

﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ﴾

پروردگار! ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا۔ اور اگر تو نے ہمیں معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم خاسرین میں سے ہوجائیں گے۔

حضرت موسیٰؑ نے پکارا:

﴿رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَ یَسِّرْلِیْ اَمْرِیْ وَ احْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ﴾۔

پروردگار! میرے سینے کو کشادہ کردے اور میرا کام میرے لیے آسان کردے۔ اور میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ لوگ میری بات اچھی طرح سمجھ سکیں۔

حضرت عیسیٰؑ نے پکارا:

﴿اَللّٰهُمَّ اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَائِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ﴾۔

پروردگار! آسمان سے دسترخوان نعمت عطا فرما۔

حضرت محمدؐ نے پکارا :

﴿رَبِّ زِدۡنِیۡ عِلۡماً۔﴾

پروردگار! میرے علم میں اضافہ فرما۔

اور حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ نے پکارا :

﴿ وَ اِذۡ یَرۡفَعُ اِبۡرَاهِیۡمُ الۡقَوَاعِدَ مِنَ الۡبَیۡتِ وَ اِسۡمٰعِیۡلَ۔ رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا اِنَّكَ اَنۡتَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ۔ رَبَّنَا وَاجۡعَلۡنَا مُسۡلِمَیۡنِ لَكَ وَ مِنۡ ذُرِّیَّتِنَا اُمَّةً مُّسۡلِمَةً لَّكَ وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَ تُبۡ عَلَیۡنَا اِنَّكَ اَنۡتَ التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ ﴾ (بقرہ: آیت ۱۲۸)

﴿ رَبَّنَا وَ ابۡعَثۡ فِیۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِكَ وَ یُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَ الۡحِكۡمَةَ وَ یُزَكِّیۡهِمۡ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَكِیۡمُ۔﴾

جب خانہ کعبہ کی دیواریں بنارہے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ تو یہ دعا کرتے ہیں۔ پروردگار ہماری یہ دعا قبول فرما ہماری یہ محنت قبول فرما۔ پروردگار تجھ سے اُجرت نہیں مانگتے ان دیواروں کے بنانے کی۔ کیونکہ یہ دیوار جو ہے کسی در کے لیے بن رہی ہے۔ (نعرۂ حیدری)

پروردگار! کچھ اجرت نہیں چاہتا۔ صرف یہ چاہتا ہوں کہ ایک ذریتِ مسلمہ ہر دور میں میرے خاندان میں ہو۔ جو مسلمان ہو۔ تو معلوم ہوا۔ پورا سلسلہ جو ہے۔ ابراھیمؑ سے لے کر پیغمبرِ اسلام تک اس میں کوئی غیر مسلم نہیں۔ حضور کے خاندان کا ہر فرد مسلم ہے۔ صرف ابراہیمؑ تک ہی نہیں۔ بلکہ آدمؑ سے لے کر خاتم النبین حضرت محمدؐ تک کے آباؤ اجداد میں سے کوئی غیر مسلم نہیں ہے۔ پوری توجہ یہ میرا نقطۂ خاص ہے۔

کوئی بھی غیر مسلم نہیں۔ یہ اسلام کا پرچم آدم نے شیث کو دیا۔ شیث نے انوش کو دیا۔ انوش نے قینان کو دیا۔ قینان نے ماعیلؑ کو دیا۔ ماعیل نے البارد کو دیا۔ البارد نے اخنوخ کو دیا۔ اخنوخ نے متوشلح کو دیا۔ متوشلح نے مالک کو دیا۔ مالک نے نوح کو دیا۔ نوح نے سام کو دیا۔ سام نے ارفخشد کو دیا۔ ارفخشد نے ہود کو دیا۔ ہودؑ نے صالح کو دیا۔ صالح نے عاد کو دیا۔ عاد نے فالغ کو دیا۔ فالغ نے ارغو کو دیا۔ تارخ نے ابراہیمؑ کو دیا۔ ابراہیمؑ نے اسمعیلؑ کو دیا۔ اسمعیلؑ نے قیدار کو دیا۔ قیدار نے حمل کو دیا۔ حمل نے نبت کو دیا۔ نبت نے سلاماں کو دیا۔ سلاماں نے یسع کو دیا۔ یسع نے اودین کو دیا۔ اودین نے ادن کو دیا۔ ادن نے عدنان کو دیا۔ عدنان نے معد کو دیا۔ معد نے نذار کو دیا۔ نذار نے مضر کو دیا۔ مضر نے الیاس کو دیا۔ الیاس نے مدرکہ کو دیا۔ مدرکہ نے حزیمہ کو دیا۔ حزیمہ نے کنانہ کو دیا۔ کنانہ نے قریش کو دیا۔ فہرین نے غالب کو دیا۔ غالب نے لوی کو دیا۔ لوی نے کعب کو دیا۔ کعب نے مرہ کو دیا،۔ مرہ نے حلاب کو دیا۔ حلاب نے زید کو دیا۔ زید نے عبد مناف کو دیا۔ عبد مناف نے ہاشم کو دیا۔ ہاشم نے اوشیبۃ الحمد یعنی عبدالمطلب کو دیا۔ عبدالمطلب سے اس نورالہیہ کے دو حصے ہوئے۔ ایک حصہ جناب عبداللہ والد رسول اللہ کی پشت میں اور ایک حصہ جناب عمران والد کلِ ایمان کی پشت میں آیا۔ (نعرۂ حیدری)

ابراہیمؑ کی دوسری دُعا یہ ہے:

﴿رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ۔﴾

پروردگار! تو ایک رسول مبعوث فرما۔ جو کتاب وحکمت کی تعلیم دے ان پر آیات

کی تلاوت کرے اوران کےنفوس کو پاک کرے اورتو بڑا غالب اور حکمت والا ہے۔

ابراھیمؑ چار ہزار سال پہلے دعا کر رہے ہیں اور رسول چار ہزار سال بعد آ رہا ہے۔ چار ہزار سال پہلے رسالت کی دعا ہو رہی ہے۔ اور چار ہزار سال بعد رسولؐ آ رہا ہے۔ سامعین محترم غور کرو۔ اگر رسالت کا انتظار چار ہزار سال تک ہو سکتا ہے۔ تو پھر امامت کا انتظار کیوں نہیں ہو سکتا؟ (نعرہَ حیدری)

اب جو الفاظ دُعا میں ہیں۔ وہی الفاظ جوابِ دعا میں ہیں۔ جس میں دعا کر رہے ہیں۔ وہ سورہ بقرہ کی آیت ہے اور جو جواب دعا ہے وہ سورہ جمعہ کی آیت ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔﴾

وہی الفاظ جو دعا میں تھے وہی الفاظ جواب دعا میں ہیں۔ کہ پرودگار نے بھیجا۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہاں **یُزَكِّیْهِم** بعد میں آیا اور اس سورہ جمعہ میں **یُزَكِّیْهِم** پہلے آیا ہے۔ یعنی ابراھیم جب تک یہ دل صاف نہ ہوگا تب تک تعلیم حکمت اور تعلیم کلام کیسے ہو سکتی ہے۔ اس لئے فرمایا پہلے دل کو صاف کرو کیونکہ بڑا مشکل ہے دل کو صاف کرنا۔ دس سال۔ بیس سال۔ تیس سال۔ چالیس سال۔ پچاس سال۔ ساٹھ سال اور ستر سال کے زنگ الود سینے اور رسولؐ نے اُنکو ایسے پاک کیا اِسطرح صیقل کی۔ اسطرح پاک و پاکیزہ کیا کہ اب قُرآن چاہے تو صورت دیکھ لے رسولؐ چاہے تو سیرت دیکھ لے۔ (نعرہَ حیدری)

سامعین محترم! کیا کہنے میرے رسولؐ کے کہ جس نے آدمی کو انسان بنا دیا۔ انسان کو مسلمان بنا دیا مسلمان کو سلیمان بنا دیا صاحبِ ایمان کو کلِ ایمان بنا دیا۔ (نعرہَ حیدری)

کیا کہنے میرے رسولؐ کے کہ جس نے سفر کو ہجرت کر دیا۔ ہلاکت کو شہادت کر دیا۔ موت کو زندگی کر دیا۔ زندگی کو بندگی کر دیا۔ اسلام کو فطرت کر دیا۔ ایمان کو عادت کر دیا۔ عادت کو عبادت کر دیا۔ چرواہوں کو صاحب تاج کر دیا۔ نماز کو معراج کر دیا۔ صاحب زر کو غنی کر دیا اور بے زر کو ابوذر مدنی کر دیا۔

جس کے وجود نے کائنات کو منور کر دیا۔ جس کے وجود نے سخاوت کو کوثر کر دیا۔ جس کے شہود نے گل کو مصور کر دیا۔ جس کے مسجود نے حق کو حقیقت منتظر کر دیا۔ اور جس کے ورود نے کسی کو سلمانؓ کسی کو ابوذرؓ۔ کسی کو حیدرؑ صفدر کر دیا۔

سامعین محترم! رسولؐ کی شان بھی آپ نے سنی اور ابراہیمؑ کی دعا بھی آپ نے سنی اور اب رسولؐ کی بھی دعا ہے اور یہ آخری خطبے کی دعا ہے۔ حجۃ الوداع کے بعد حضور کی آخری دعا ہے۔ جو غدیر خم میں کی۔ ایک لاکھ **24** ہزار صحابہؓ کرام کے مجمع میں کہا۔ اس میں دعا کر کر رہے۔ مگر دعا سے پہلے خطبہ دیا۔

یَـا اَیُّھَـا النَّـاسُ لوگو ! قریب ہے کہ میرا بلاوا آ جائے۔ اور اس آواز پر لبیک کہتا ہوا چلا جاؤں تو مجھ سے بھی پوچھا جائے گا اور تم سے بھی پوچھا جائے گا۔

فِیْمَاذَا اَنْتُمْ قَائِلُوْنَ ؟ تو تم کیا کہو گے۔

قَـالُـوْا نَشْھَدُ. ایک لاکھ چوبیس ہزار یا **25** ہزار کا مجمع ہے۔ سب نے کہا۔ آپ نے تبلیغ کی۔ نصیحت فرمائی۔ جہاد کیا۔ اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔

قَالَ : لَا تَشْھَدُوْنَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ.

کیا تم گواہی نہیں دو گے کہ جنت حق ہے۔ نار حق ہے۔ قیامت آنے والی ہے۔ سب نے کہا ہم گواہی دیں گے۔

اَنۡتَظِرُ کَیۡفَ تخلفوُ نِیۡ فِی الثَّقلَیۡنِ ؟

میں دیکھوں گا کہ ثقلین کے بارے میں تمہارا کیا رویہ ہے؟

فَنَادٰی مُنَادٍ مَا الثَّقلَیۡنُ ؟

بس ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا۔ وہ ثقلین کیا ہے؟

قَالَ: اَلثِّقلُ الۡاَکۡبَرُ کِتَابُ اللّٰہِ وَ ثِقۡلُ الۡاَصۡغَرِ عِتۡرَتِیۡ اَھۡلَبَیۡتِیۡ۔

ثقلِ اکبر کتاب خدا ہے۔ ثقلِ اصغر میری عترت اہلبیت ہے۔

وَ اِنۡ تَمَسَّکۡتُمۡ بِھِمَا لَنۡ تَضِلُّوۡا بَعۡدِیۡ اَبَداً۔

اگر ان دونوں کے ساتھ متمسک رہیں گے تو قیامت تک کبھی تباہ و برباد نہیں ہوں گے۔ خطبے کے دوران رسولؐ فرماتے ہیں۔ یٰاَیُّھَاالنَّاس کیا میں تمہارے نفوس پر تم سے زیادہ حق نہیں رکھتا۔ سب نے کہا۔ قَالُوۡا بَلٰی ہاں رسول اللہ۔

پھر رسول نے علیؑ کا بازو پکڑ کر بلند کیا اور کہا:

مَنۡ کُنۡتُ مَوۡلَاہُ ، فَھٰذَا عَلِیٌّ مَوۡلَاہُ۔

اور آخر میں رسولؐ فرماتے ہیں۔ حق علی کے ساتھ ہے علیؑ حق کے ساتھ ہے اور رسول دعا کر رہے ہیں:

اَللّٰھُمَّ اَدِرِ الۡحَقَّ حَیۡثُ مَا دَارَ عَلِیٌّ۔

پروردگار ! حق کو ادھر ادھر پھیر دے۔ جدھر جدھر یہ علیؑ جائے۔

سامعین محترم ! غدیر اک نظامِ مسلسل ہے۔ غدیر ایک انتظام مکمل ہے۔ غدیر سرمایۂ دستورِ شریعت ہے۔ غدیر تحفظِ حقوقِ انسانیت ہے۔ غدیر عظمتِ منشورِ بنی آدمؑ ہے۔ غدیر آزادئ لوح و قلم ہے۔ غدیر میزان ہدایت ہے۔ غدیر دلیلِ ختمِ نبوت ہے۔ غدیر افتتاحِ

دورِ امامت ہے۔ غدیر اکرام طہارت گفتار ہے۔ غدیر انعام اخلاق و کردار ہے۔ غدیر تاریخ میں مقامِ جلی ہے۔ غدیر حدیث میں مقامِ علیؑ ہے۔ علیؑ ولی ہے ولی علیؑ ہے۔ (نعرۂ حیدری)

پروردگار! جو اس کو دوست رکھے تو اس کو دوست رکھ، جو اس سے دشمنی رکھے تو اس سے دشمنی رکھ، جو اس سے بغض رکھے تو اس سے بغض رکھ، جو اس کی مدد کرے تو اس کی مدد کر، جو اس کو چھوڑ دے تو اس کو چھوڑ دے اور حق کو ادھر ادھر لے جا۔ جدھر جدھر یہ جاتا ہے۔ (نعرۂ حیدری)

اب آخری دعا امام زین العابدینؑ کی ہے۔

سید سجادؑ فرماتے ہیں: پروردگار! رحمت نازل کر اصحابِ محمدؐ پر۔ یہ وہ ہیں جنہوں نے حق کے ساتھ وفاءِ عہد کیا۔ یہ وہ ہیں جنہوں نے مصیبتوں کو گلے لگایا۔ یہ وہ ہیں کہ جب تیرے رسولؐ نے پکارا تو تیزی سے چلے آئے۔

یہ وہ ہیں کہ جب رسولؐ نے طلب کیا تو ایمان کی طرف آئے، یہ وہ ہیں کہ جنہوں نے اپنی اولاد کو ازواج کو تیرے رسولؐ کے لیے چھوڑ دیا، یہ وہ ہیں کہ جنہوں نے اپنے باپ اور بیٹوں سے مقابلے کیے، تاکہ تیرے رسولؐ کی نبوت قائم ہو۔ ان پر رحمت نازل کر، ان پر کرم نازل کر، تو کیا کہنے صحابہ کے، ابرو ہلالی رنگ ہلالی، کوہ سلیمانی۔ دھنک سلیمانی، سامان دیکھ تو بے ذر۔ ایمان دیکھو تو بوذر، جانے میں زید قتادہ اڑنے میں حمزہ نامدار۔ اڑنے میں جعفر طیار۔ لڑنے میں حیدر کرار۔ (نعرۂ حیدری)

مقامِ صحابہ سمجھو! صحابہ وہ ہیں کہ آسمان پر ہوں تو ستارے ہیں، زمین پر ہوں تو بصیرت کے منارے ہیں، قرآن کے ساتھ ہوں تو ایمان کے پارے ہیں اور اگر رسول کے ساتھ ہوں تو سارے ہمارے ہیں۔ (نعرۂ حیدری)

بس اب دُعا...... امام حسینؑ کی دُعا: **تَرَکْتُ الْخَلْقَ فِیْ هَوَاكَ۔**

یہ اس وقت دعا مانگی ہے جب کوئی باقی نہیں رہا۔ اصغرؑ کو دفن کر دیا ہے تو دعا مانگی ہے: **تَرَکْتُ الْخَلْقَ فِیْ هَوَاكَ۔**

میں نے ساری دنیا کو تیرے لئے چھوڑ دیا ہے۔

وَ اَیْتَمْتُ الْعَیَالَ لِکَیْ اَرَاكَ۔

اور میں نے اپنی اولاد کو یتیم کیا تا کہ تیرا جلوہ دیکھوں۔

وَ لَوْ قَطَّعْتَنِیْ فِی الْحُبِّ۔

اور اگر تو اپنی محبت میں مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔

لَمَا حَسَنَ الْفُؤَادُ اِلٰی سِوَاكَ۔

تو تیرے علاوہ کسی اور کی طرف مائل نہیں ہوگا۔

اس کے علاوہ ایک اور موقع ہے جہاں دعا کر رہے ہیں کہ

کون آیا ہے؟ یا بن رسول اللہ! میرا سلام ہو۔

تو جَون کے رخسار پر رخسار رکھ کر بیٹھے ہیں: **اَللّٰھُمَّ بَیِّضْ وَجْھَهٗ وَ طَیِّبْ رِیْحَهٗ وَ احْشُرْهُ مَعَ الْاَبْرَارِ وَ عَرِّفْ بَیْنَهٗ وَ بَیْنَ مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ۔**

بارِ الٰہا! یہ غلام ہے اس کا چہرہ سفید ہو جائے اور اس کے خون سے خوشبو آجائے اور اس کو ابرار کے ساتھ ملا دے۔

اور پھر جب علی اصغرؑ کے گلے سے خون نکلا، تو کہتے ہیں: بارِ الٰہا!

اور پھر دعا کر رہے ہیں، سکینہؑ سموں سے لپٹی ہوئی ہے اور حسینؑ اُٹھا کر گلے سے لگاتے ہیں: سکینہ! کیوں رو رہی ہے؟ کہا: بابا چھوڑ کر جا رہے ہو۔

کہا: بیٹی تو میری تہجد کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔ میں نے دعا کی تھی کہ جب بارِالٰہا ! مجھے چاند سی بیٹی دے جو میرے بغیر نہ رہ سکے، لیکن جب تو پکارے تو اسے روتا ہوا چھوڑ جاؤں۔

کہا: بیٹی ! تو بھی وعدہ کر جب تازیانے لگیں گے تو، تُو روئے گی نہیں، طمانچے لگیں گے تو چلائے گی نہیں۔

اور پھر حسینؑ دعا کر رہے ہیں، شمر کا خنجر چل رہا ہے......اور حسینؑ کہہ رہے ہیں: بارِالٰہا! میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا، اب تو اپنا وعدہ پورا کر۔

آخری جملے ہیں......آخری جملے ہیں اور دیکھو......ایک عورت سرخ چادر اوڑھے ہوئے چلی......سرخ چادر اوڑھے ہوئے چلی۔

مدینے میں امام سجادؑ سے کسی نے پوچھا کہ:

مولا! وہ سرخ چادر اوڑھنے والی عورت کون تھی؟

کہا: وہ میری پھوپھی زینبؑ تھی۔

کہا: مولا! یہ بتایئے عاشور کے دن......سرخ چادر کیوں اوڑھی تھی؟

کہا: پوچھنے والے تو نے میرا دل ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، چادر تو سفید تھی مگر جب بھیا علی اکبرؑ کے لاشے پر گری، جوان خون کی دھاروں سے سفید چادر رنگین ہوگئی۔

اب زینبؑ مقتل کی طرف چلتی ہے، لاشوں کو دیکھتی ہوئی......ایک لاشہ ہے جسکے برچھی لگی ہوئی تھی، ایک لاشہ ہے جس کے ہاتھ نہیں ہیں، ایک لاشہ ہے جس کے اوپر گھوڑوں کی ٹاپوں کے نشان ہیں۔ ادھر زینب کبریٰ آگے بڑھتی جا رہی ہے ایک جگہ عون و محمد کی لاشیں بھی آئیں لیکن وہاں نہ رُکیں......نہیں، نہیں مجھے جانے دو، نشیب کی طرف مڑیں تو ایک جسم جس میں ایک انگشت گنجائش نہ تھی...... وہاں پہنچیں اور دیکھا

حسینؑ! زینبؑ آ گئی......زینبؑ آ گئی۔

ایک مرتبہ بال بکھیر دیئے......کہا:

بارالہا! یہ قربانی قبول فرما! یہ محمد کی قربانی ہے۔قبول کر......اس کو قبول کر!

اس کے بعد دوستو! وہ وقت آتا ہے۔ جب آگ لگ چکی ہے۔خیموں میں، سیدانیاں ایک خیمے سے دوسرے خیمے میں جاتی ہیں، کبھی دوسرے خیمے سے تیسرے خیمے میں جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ اس خیمے میں پہنچیں جہاں امام سجادؑ غشی میں پڑے ہوئے ہیں، آ کر بازو ہلایا۔

اے مفتیِ عصرِ حاضر! اے امام زمانہ! ذرا دیکھوں تو ماؤں بہنوں کا کیا حال ہے۔

سجادؑ نے آنکھیں کھول دیں۔ کہا:

پھوپھی کیا ہوا !!

کہا: آگ لگ گئی ہے بیٹا! چاہو تو نکل جائیں......چاہو تو جل جائیں۔

کہا: اس وقت نکل جائیں......

سیدانیاں نکلیں، مگر اس شان سے کہ زینبؑ سجادؑ کو اٹھائے ہوئے چل رہی ہیں......کہا: حسینؑ جلدی آؤ حسینؑ جلدی آؤ......اور دیکھو کہ اکبرؑ کا لاشہ اٹھایا، تو تم سے نہیں اٹھا تھا۔ اب زینبؑ کے بازوؤں کو دیکھو کہ سجادؑ کو ہاتھوں پر لا رہی ہوں۔

اس کے بعد لاشیں پامال کر دی گئیں، تھوڑی دیر میں قافلہ آیا۔ زینب کھڑی ہو گئیں......کھڑی ہو گئیں زینبؑ۔

آنے والو! اب سادات کے پاس کچھ نہیں ہے۔

آنے والوں نے سلام کیا۔ السلام علیک!

کہا: کون ہے؟

کہا: میں زوجہ حرؑ ہوں۔

کہا: میں شرمندہ ہوں، ہم حر کی پانی سے بھی ضیافت نہ کر سکے۔

کہا: شرمندہ میں بھی ہوں، سیدانی ! پانی لائے ہیں۔

کہا: پانی دیر میں آیا ہے اور پینے والے چلے گئے اور پینے والے چلے گئے۔

کہا: بچوں کو پلا دیں۔

زینبؑ نے بچوں کو آواز دی: بچو! آؤ پانی آ گیا۔

بچے دوڑے کہ چچا عباسؑ آ گئے ...... چچا عباسؑ آ گئے ۔ادھر دیکھا کہ زینبؑ آ گئی تو بچوں نے کوزے بڑھا دیئے۔ زینبؑ نے کہا: ''پہلے اس کو پانی دوں گی جو سب سے چھوٹا ہوگا۔'' سکینہؑ نے پانی لیا اور پانی لیکر مقتل کی طرف چلی ۔ زینبؑ نے کہا: بیٹی کدھر جا رہی ہے؟''

کہا: پھوپھی! جو سب سے چھوٹا ہے وہ میرا علی اصغرؑ ہے......

وہ میرا علی اصغرؑ ہے۔''

☆☆☆

رضائے الٰہی

(علامہ نصیر الاجتہادیؔ)

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنَاتِ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ مَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِىْ جَنّٰتِ عَدْنٍ وَ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔﴾ (سورہ توبہ: ۷۲)

ارشاد ہو رہا ہے کہ اللہ نے وعدہ کیا ہے مومنین سے اور مومنات سے کہ ان کو باغ دے گا۔ جن کے نیچے نہریں رواں دواں ہونگی اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور اس میں پاکیزہ قیام گاہیں بھی ہیں۔

﴿وَ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ۔﴾

مگر جنت میں سب سے بڑی نعمت اللہ کی رضا ہے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے تو ہماری تقریر کا عنوان رضائے الٰہی ہے۔

لغت میں رضا کا مفہوم: رَضِیَ یَرْضٰی رِضاً رِضْوَانٌ

یعنی پسند کرنا، راضی ہونا، خوش ہونا اور ''رضوان'' اَلرِّضَا الْكَثِيْرُ بہت سی رضائیں، رضوان کے معنی، اور یہ ہے کہ اَلرِّضَا.

کہ رضا کیا ہے؟ انسان کے نفس کی وہ حالت کہ جب وہ کسی کو فائدہ پہنچاتا

ہے اور کسی کے حکم کی اطاعت کرتا ہے تو اس سے جو مسرت آمیز تغیر اس کے اندر پیدا ہوتا ہے اسے رضا کہتے ہیں۔ لیکن کیونکہ ہمارا موضوع رضائے الٰہی ہے لہذا لغت سے ہٹ کر ہم اس عنوان پر آتے ہیں کہ رضا اللہ کیا ہے؟

رِضَا اللّٰہِ عَنِ الْعَبْدِ اَنْ یُّرِیَہٗ مُسْتَمِرّاً فِی اَمْرِہٖ وَ مُنْتَھِیاً عَنْ نَھْیِہٖ۔

اللہ کی رضا بندے کیلئے ہے کہ وہ حکم جو اللہ کا ہے اس کو بندہ بجالائے اور جس سے خدا روکے اس سے رک جائے۔ اور بندے کی رضا یہ ہے کہ جو اللہ کی قضا اس پر جاری ہو اس کی پیشانی پر شکن نہ آئے۔

اَنْ لَّا یَکْرَھُھَا عَلٰی مَا یَجْرِیْ عَلَیْہِ قَضَاءُ اللّٰہِ۔

اور ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ انسان کو چاہیے کہ وہ ہر آن رضائے الٰہی پیشِ نظر رکھے۔ زندگی کی سرزمین پر اور بندگی کے ہر آسمان پر۔ رضائے الٰہی کو پیشِ نگاہ رکھے۔ جس ہوا میں سانس لے، جس فضا میں چلے، رضوانِ خداوندی پیشِ نگاہ ہو۔ کیونکہ فرشِ عبدیت کے سجدہ گزار کو اجازت نہیں کہ عرشِ معبودیت کے سلطان کی سرتابی کرے۔ (نعرۂ حیدری)

ذرّے کو صحرا سے، قطرے کو دریا سے، خس کو بجلی سے تصادم کی اجازت ہے۔ مگر انسان ضعیف البنیان کو خدائے لامکان اور لازمان سے سرتابی کی اجازت نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ حق اس کا اس وقت چھن گیا جب اس نے صحیفۂ تخلیق پر دستخط کئے۔ یہ حق چھن گیا جب اس نے بحیثیت مخلوق صحیفۂ تخلیق پر دستخط کیے اور خالق ہونے سے انکار کردیا۔

(نعرے)

لہذا جب وہ بنی آدمؑ کا تاج پہنتا ہے تو تاج کی لاج بھی رکھے۔ اور جب اپنے کریم کی قبا زیبِ بشریت ہے تو اس کا لحاظ بھی رکھے۔ اور جب خوانِ نعمت کی اشیاء

کے لیے منہ کھولتا ہے تو اس کی مدح کے لیے رطبِ لسانی بھی رکھے، اور جب اس کی نعمتوں کو دونوں ہاتھوں کی چابک دستیوں سے لُوٹتا ہے تو ان ہاتھ کو بلند بھی کرے، اور جب اللہ تعالیٰ کے مال و ملال کو حاتم کی طرح خرچ کرتا ہے تو تازیانہ قضا کو رُستم کی طرح برداشت بھی کرے۔ (نعرۂ حیدری)

انسان کے لیے یہی راستہ ہے اور یہ ہماری گفتگو شرافتِ ظرفِ انسانی کے حوالے سے ہے کہ وہ سنبھل جائے، رک جائے، جھک جائے، ورنہ ہم انسان کی عظمت اور فرعونیت کو اچھی طرح سے جانتے ہیں۔ یہ انسان خشکی پر بپھرے ہوئے شیر کی طرح۔

اَنَارَبُّکُمُ الْاَعْلٰی. کہتا ہے۔

اور پھر رودِ نیل کی موجوں میں، خوف و حراس کے خیمے میں چھپ کر اپنی خدائی کا تماشہ بھی دیکھتا ہے۔

لہٰذا اس کو چاہیے کہ قضائے ربّ کے آگے جھک جائے، کیونکہ قضا خدا کی ہے، حدیثِ قدسی ہے:

قَدَّرْتُ الْمَقَادِیْرَ وَ تَدَبَّرْتُ التَّدَابِیْرَ اَحْسَنْتُهَا مَنْعاً فَمَنْ رَضِیَ بِرِضَائِیْ رِضاً فَرِضَاءٌ مِّنِّیْ وَ مَنْ سَخَتْ عَنِّیْ فَسُخْتُ مِنْهُ.

میں نے تقدیر بنائی ہے، میں نے تقدیر کی راہیں تشکیل دی ہیں۔ میں نے کائنات کو سلسلہ علت و معلول سے منظم کیا ہے۔

لہٰذا جو ہم سے خوش ہے تو ہم اس سے خوش ہیں۔ اور اگر ناراض ہے تو ہم کب اس سے خوش ہیں!

اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَمَنْ لَّمْ یَصْبِرْ عَلٰی بَلَآئِیْ وَ لَمْ یَشْکُرْ عَلٰی

نَعْمَائِیْ وَ لَمْ یَرْضَ بِقَضَائِیْ فَلْیَتَّخِذْ رَبّاً سِوَائِیْ۔

ہم خدائے عظیم وجلیل ہیں جو ہماری بلا پہ صبر نہ کرے، جو ہماری نعمتوں پہ شکر نہ کرے، ہماری قضا کے آگے جھکے نہیں اس کو چاہیے کہ ہمارے سوا کوئی اور خدا ڈھونڈ لے۔ (نعرے)

اس لیے جو تکریمِ ضمیرِ انسانی کے علمبردار تھے، اور سچائیوں کے راز داں تھے۔ وہ جھک جاتے تھے۔

قَالَ النَّبِیُّ لِطَائِفَةٍ مِّنْ اَصْحَابِہٖ: مَنْ اَنْتُمْ؟ قَالُوْا: نَحْنُ مُؤْمِنُوْنَ، قَالَ النَّبِیُّ: مَا عَلاَمَةُ اِیْمَانِکُمْ؟ قَالُوْا: نَحْنُ نَصْبِرُ عَلٰی بَلآءٍ وَ نَشْکُرُ عَلٰی نَعْمَاءٍ وَ نَرْضٰی عَلٰی قَضَاءٍ، قَالَ النَّبِیُّ: اَنْتُمْ مُؤْمِنُوْنَ بِرَبِّ الْکَعْبَةِ۔

حضورؐ نے ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ کے گروہ سے پوچھا، تم کون ہو؟ کہا ہم مومن ہیں، کہا تمہارے ایمان کی علامت کیا ہے؟ کہا ہم بلا پہ صبر کرتے ہیں، نعمتوں پہ شکر کرتے ہیں، اور خدا کی قضا پہ راضی ہوتے ہیں۔

حضورؐ نے فرمایا پروردگارِ کعبہ کی قسم کہ تم مومن ہو، معلوم ہوا کہ ایمان کے بعد انسان میں قضا پر ایمان آجاتا ہے۔ ایمان سے پہلے نہیں آتا، یہ مسئلہ بہت اہم ہے۔ اور مجھے سلجھانا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ایک غیر مسلم کا عملِ خیر مقبول کیوں نہیں ہوتا؟ اس کو رضائے الٰہی کیوں نہیں ملتی؟ یہ بہت بڑا سوال ہے۔ جو صدیوں سے علماء کے درمیان قابلِ بحث ہے۔ کہ ایک غیر مومن، ایک غیر مسلم جب نیکی کرتا ہے، خیرات کرتا ہے تو

اس کا ثواب کیوں نہیں ملتا؟ اس کا اجر کیوں نہیں ملتا؟ رضائے ربّ کیوں نہیں ملتی؟ تو اس کی وجہ ہے دوستو! مسئلہ یہ ہے کہ خیرِ مطلق اور خیرِ مجسم اور نیکی یہ کوئی مستقل چیز نہیں پریشان نہ ہوں۔ اسلام بڑا غیر متعصب مذہب ہے۔ کوئی مسلمان ہو یا غیر مسلم دونوں کے لیے عمل ہے رضائے ربّ ہے۔ اگر مسلمان ہے تو بھی اگر رضائے ربّ نہیں تو اس کو رضائے ربّ نہیں ملے گی، ترمذی شریف کی حدیث ہے حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا انہوں نے کہ میں نے خود سنا رسول اللہؐ سے کہ حضورؐ فرماتے ہیں کہ جب قیامت ہوگی اور فیصلہ ہوگا تو ایک دولت مند کو بلایا جائے گا کہ میں نے تمہیں دولت دی۔ کہے گا: ہاں، خرچ کیا؟ کہے گا: ہاں، کس کو دیا؟ قرابت داروں کو صلۂ رحم کیا، آواز آئے گی کہ جھوٹ بولتا ہے۔ تُو نے اس لیے دولت خرچ کی کہ دنیا تجھے سخی سمجھے۔ تو نے ہماری رضا کے لیے نہیں کی، لہٰذا اس کو جہنم بھیج دو۔ معلوم ہوا کہ مسلمان بھی اگر رضائے ربّ کے ماتحت کام نہیں کرتا تو پھر وہ مقبول نہیں ہے۔ رضائے ربّ کو ہمیں ہر وقت پیشِ نگاہ رکھنا ہے کہ رضائے ربّ ہے کہ نہیں؟

عمل کی حیثیت چھ ہیں۔ نفسِ عمل، مقامِ عمل، زمانِ عمل، ماحولِ عمل، کمیت عمل، کیفیتِ عمل۔ مگر ان سب میں جو جانِ عمل ہے، وہ کیفیتِ عمل ہے۔ یعنی اخلاص جو ہے وہ جانِ عمل ہے۔

اخلاص کو دیکھنا ہے کہ وہ ہے کہ نہیں؟ کتنے ہی سجدے انسان کرے اگر خلوص نہیں تو وہ بیکار ہیں۔ اس لیے کہ اخلاص نہیں۔ اخلاص کہاں سے دیکھیں۔

؎ از علیؑ آموز اخلاصِ عمل　　شیرِ حق را داں منزّہ ادخل

ایں خوب انداز بررو علیؑ افتخار ہر نبی و ہر ولی

اس نے لعاب دہن علیؑ کے منہ پر پھینکا، اور پھر علیؑ اتر آئے اور کہنے لگے۔

اس نے پوچھا کہ آپ گردن کیوں نہیں کاٹتے؟ تو کہا میں حق کے لیے چلاتا ہوں۔

(نعرۂ حیدری)

میں شیرِ حق ہوں، خواہشات کا شیر نہیں ہوں۔ اور میرا یہ فعل جو ہے میرے دین کا گواہ ہے۔ پوچھا گیا کہ اتنے زبردست پہلوان پر حاوی ہونے کے بعد کیوں آپ نے چھوڑا؟ تو کہا اس لیے کہ اس نے مجھ کو ذاتی طور پر غضبناک کیا، اور میں نہیں چاہتا تھا کہ شمشیر کی روانی میں جذبات کی طغیانی آ جائے۔ (نعرۂ حیدری)

ہم ہر چیز میں رضائے الٰہی دیکھتے ہیں اور کبھی رضائے ربّ اس میں ہے کہ تلوار دشمن کی گردن سے اُٹھ جائے۔ اور کبھی رضائے ربّ اس میں ہے کہ تلوار کی چھاؤں میں خود کو سلا دو۔ (نعرۂ صلواۃ)

حضورؐ سے جبریلؑ نے عرض کیا کہ "لَا تَبِتْ هٰذِهِ اللَّيْلَةَ عَلٰى فِرَاشِكَ" کہ آج کی رات آپؐ اپنے بستر پر نہیں سوئیں گے۔ "فَدَعَا عَلِيّاً" علیؑ کو بلایا۔ قَالَ اِنِّیْ آمُرُكَ نَمْ عَلٰى فِرَاشِیْ۔

میں حکم دیتا ہوں کہ تم میرے بستر پر سو جاؤ۔

"قَالَ: اَتَسْلَمُ يَانَبِیَّ اللّٰهِ ؟" کیا میرے سو رہنے سے آپ کی جان بچ جائے گی؟

"قَالَ :نَعَمْ" حضورؐ نے فرمایا کہ ہاں۔ "فَتَبَسَّمَ ضَاحِكاً" علیؑ مسکرائے،

فَهَبَتْ اِلَى الْاَرْضِ سَاجِداً۔

اور زمین پر سجدۂ خالق ادا کیا۔ اور کہا تو نے مجھے اس قابل بنایا کہ محمدؐ کا فدیہ

کردیا۔ اور اپنے سر کو اٹھایا۔

رَافِعٌ رَاسَهٗ وَ قَالَ: اِنَّ سَمْعِیْ وَ بَصَرِیْ وَ اُذُنِیْ وَ قَلْبِیْ لَكَ۔

میری آنکھ، میرے کان، میرا دل سب تیرا ہے۔ (نعرۂ صلواۃ)

• پھر علیؑ ردائے رسولؐ اوڑھ کر سوتے ہیں اور پھر احیائے علوم میں علامہ غزالیؒ تیسری جلد صفحہ 225 سطر 21 پر لکھتے ہیں:

فَنَامَ عَلِیٌّ كَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهٗ عَلٰی فِرَاشِ رَسُوْلِ اللّٰهِ۔

حضرت علی کرم اللہ وجہ، رسول کے بستر پر سو گئے۔

فَاَوْحٰی اللّٰهُ اِلٰی جِبْرِیْلَ وَ مِیْكَائِیْلَ۔

اللہ تعالیٰ نے جبریلؑ اور میکائیلؑ کی طرف وحی کی،

اِنِّیْ اٰخَیْتُ بَیْنَكُمْ۔

میں نے تم کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا ہے۔

وَ جَعَلْتُ عُمَرَكُمْ اَكْثَرَ مِنْ عُمَرِ آخَرَ۔

اور ایک کی عمر میں نے زیادہ بنائی، ایک کی کم بنائی۔

فَاَیُّكُمْ مَنْ یُّعْطِیْ صَاحِبَكُمْ بِالْحَیَاةِ۔

کہ تم میں سے کوئی ہے جو اپنی زیادہ زندگی اپنے دوست کو دے دے۔

وَكِلَاهُمَا اخْتَارَ الْحَیَاةَ

دونوں نے کہا کہ ہمیں زندگی پسند ہے۔ "**ثُمَّ اَوْحٰی**" پھر اللہ تعالیٰ نے وحی کی۔ "**اَفَلَا كُنْتُمَا مِثْلَ عَلِیِّ ابْنِ اَبِیْ طَالِبٍ**" تم لوگ کیوں نہیں ہو جاتے علی ابن ابی طالبؑ کی مثل۔ (نعرۂ حیدری)

اِنِّیُ آخَیۡتُ بَیۡنَهٗ وَ بَیۡنَ نَبِیِّ مُحَمَّدٍ وَّهُوَ بَعۡدَهٗ عَلٰی فِرَاشِهٖ وَ فَدٰی بِنَفۡسِهٖ عَلَیۡهِ.

یہ ہم نے اس کے اور رسولؐ کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا اور یہ ان کے بستر پر سو رہا ہے اور اپنی جان تک فدا کر رہا ہے۔ "اَنۡــزِلُوۡا اِلَی الۡاَرۡضِ" جاؤ زمین پر۔ "وَ احۡفَظُوۡهُ عَنۡ عَدُوِّهٖ۔" اور اس کو دشمنوں سے بچاؤ۔

فَاَنۡزَلَ جِبۡرِیۡلُ وَ قَالَ وَ مَنۡ مِثۡلُكَ اَنَّ اللّٰهَ یُبَاهِیۡ بِكَ عَلَی الۡمَلَائِكَةِ.

اللہ تجھ پر فخر کر رہا ہے۔ ملائکہ کے درمیان۔ "فَاَنۡزَلَ اللّٰهُ آیَةً"

﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّشۡرِیۡ نَفۡسَهُ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰهِ۔﴾

عجیب بات ہے کہ تعمیل تو حکم رسولؐ کی ہو رہی ہے، اور رضا اللہ کی مظہر ہے۔ ایسا سودا چشمِ فلک نے کم دیکھا، اور ایسی قیمت بھی کم نظر آئی، اور ویسے بھی یہ ہے کہ یہ شئے جو بک رہی ہے، یہ پہلے نہ بکی، نہ تلی، نہ کسی نے پرکھا، کسی کو معلوم نہیں کہ کیا ہے؟ علیؑ نہ کبھی بکے، نہ کبھی تلے، وہ کیسے چاندی میں تُلے جو فضہ کا مالک ہو، وہ در کیسے تُلے جو ابوذر کا مولا ہو، وہ گوہر میں کیسے تُلے جو گوہرِ گنجِ امامت ہو۔

ہو سکتا ہے کہ اعلیٰ، ادنیٰ میں تلے، ابراہیمؑ آگ میں تلے، سلیمانؑ ہوا میں تلے، یونسؑ پانی میں تلے، ذرے میں آفتاب تلے، نقطے میں کتاب تلے، اور تراب میں ابوترابؑ تلے۔ (نعرۂ حیدری)

؎ تُلے تو مہرِ نبوت کے ترازو میں تُلے — بکے تو لفظِ مشیت کی آرزو پہ بکے

اب میں نفس اللہ کی بات کر رہا ہوں، تو مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ جس کے دل پر ﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّشۡرِیۡ﴾ کی مہر ہو، اس میں نفسانیت کہاں اور جس کے سینہ کیلئے "فِیۡ صُدُوۡرِ الَّذِیۡنَ" آیا ہو۔ اس میں خیانت کہاں، اور جس کے ذہن

کے لیے۔ "اَنَا نُقطَةُ تَحتَ البَاءِ" اس میں جہالت کہاں؟!

اور جس کے ہاتھوں کی حرکت کبھی اِنَّمَا کا نگینہ، کبھی ھَلْ اَتٰی کا آئینہ، کبھی لَافَتٰی کا سفینہ، اور جس کے پیر کبھی دوشِ رسول جلیل پر، کبھی شہپر جبرائیلؑ پر، اس سے لرزشِ رفتار کہاں، اور جس کی آنکھوں کیلئے۔

لَوْکَشَفَ الغِطَا آیا ہو۔ اس میں غلطی کی تحریر ہو؟ اور آب وحی میں حل کیا ہوا سرمہ مدنی روزِ خیبر لگایا ہو، اس کی بصارت میں عیب کہاں۔ (نعرۂ صلواۃ)

اور جس کے کانوں کی شان میں اُذُنٌ وَّاعِیَةٌ کی سند ہو اس کی سماعت میں عیب کہاں، اور جس کی زبان کی رسولؐ کے دہن میں ہو، اور رسولؐ کی زبان جس کے دہن میں ہو، اس سے غلط بات کہاں اور لِسَانَ صِدْقٍ عَلِیًّا. جس کی گفتار ہو، اور بَرَزَ الْاِیْمَانُ جس کی رفتار ہو، اس سے منافی رضا حرکات کہاں؟!

علیؑ سے منافی رضا حرکت نہیں ہوگی۔ علیؑ جب تلوار اٹھائیں تو حق ہے، آپ کہیں گے کہ رضائے ربّ پہ گفتگو کرتے کرتے رضائے رسولؐ کیسے آ گئی، یہ تو آپ کو پہلے معلوم ہونا چاہیے تھا، کلمہ پڑھنے سے پہلے معلوم ہونا چاہیے تھا، اب تو کلمہ پڑھ چکے، بھئی اس مسئلے کو امام صادق علیہ السلام سے پوچھا، یابن رسول اللہؐ ایک آیت سمجھ میں نہیں آتی، ﴿فَلَمَّا نَکُوْنَا غَضِبْنَا فَانْتَقَمْنَا فَاَغْرَقْنٰھُمْ اَجْمَعِیْنَ﴾

کہ اللہ فرماتا ہے جب ہم رنجیدہ ہوئے، غضبناک ہوئے، تو ہم نے انتقام لیا، اور ان کو غرق کر دیا۔ تو یابن رسول اللہؐ کیا اللہ بھی رنجیدہ ہوتا ہے، غمگین ہوتا ہے، خوش ہوتا ہے، ناراض ہوتا ہے؟

امام نے فرمایا نہیں۔ یہ اللہ کا تصور غلط ہے۔ ہمارے یہاں اللہ کا تصور اس

سے بہت ماورا ہے۔ اللہ انسان نہیں جس میں غصہ ہو، خوشی ہو، ناراضگی ہو۔ کہا پھر اس آیت میں کیا ہے؟ کہا کہ **لَا یُوْصَفُ کَوَصْفِنَا۔**

وہ ہماری طرح رنجیدہ اور خوش نہیں رہتا۔

وَ جَعَلَ رِضَاھُمْ لِنَفْسِہٖ رِضاً۔

لیکن اس نے کچھ ایسی ہستیاں بنائی ہیں، وہ غمزدہ بھی ہوتی ہیں اور خوش بھی ہوتیں ہیں ۔ اور ان کی رضا کو اپنے نفس کی رضا بتایا۔ ان کی ناراضگی کو اپنے نفس کی ناراضگی بتایا۔ کیا تو نے قرآن نہیں پڑھا کہ

﴿وَ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ۔﴾

جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

﴿اَلَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ۔﴾

اور جس نے تیری بیعت کی رسولؐ، اس نے تیری نہیں ہماری بیعت کی۔

اور کہا کیا تو نے یہ آیت نہیں پڑھی؟ کہا پڑھی۔ تو کہا یہ رسولؐ ہے جو مظہر رضائے ربّ ہے۔ پتہ چلا ہے، کون کہتا ہے۔ قرآن مظہر رضائے ربّ ہے۔ معلوم ہوتا ہے قرآن سے کہ اللہ کیا پسند کرتا ہے اور کیا پسند نہیں کرتا۔ لیکن اوامر و نواہی، حلال و حرام قرآن سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ لیکن انسانوں کے بارے میں کس سے خدا خوش ہے، کس سے خدا ناخوش ہے۔ یہ قرآن سے معلوم نہیں ہوگا۔ یہ رسولؐ سے معلوم ہوگا۔ (نعرۂ رسالت)

یہ رسولؐ سے معلوم ہوگا۔ کہ رسولؐ کس کو چاہ رہا ہے، کس کو بڑھا رہا ہے، کس کو دبا رہا ہے، کس کو اٹھا رہا ہے۔ یہ رسولؐ سے معلوم ہوگا۔ رسولؐ کو دیکھئے اب آپ کا تعاقب سیرتِ نبی ہونا چاہیے۔ رسولؐ کو دیکھیے ۔ دیکھتے چلئے۔ آپ ان کے کلمہ گو ہیں

ناں۔لہذا جس جس سے وہ خوش ہیں آپ خوش ہو جائیں۔اور جس جس سے وہ ناراض ہے آپ ناراض ہو جائیں۔اور چاہے آپ کا دل اس کو جتنا ہی پسند کرے۔

رضائے رسول مظہرِ رضائے ربّ ہے۔میرا کام یہی ہے کہ میں احادیثِ رسولؐ میں یہی دیکھتا ہوں کہ حضورؐ کس سے خوش ہیں۔تاکہ میں بھی ان سے محبت کروں۔کس سے ناراض ہیں تاکہ میں بھی ان سے دور رہوں۔کیوں کہ رسولؐ کی رضا سب پر مقدم ہے۔رسولؐ بہتوں سے محبت کرتے تھے۔بہتوں کو چاہتے تھے۔بہتوں کا خیال رکھتے تھے۔لیکن پوری تاریخ میں ایک رسول کا کردار صرف ایک ذات کیلئے نظر آتا ہے اور کہیں بھی دکھائی نہیں دیتا ہم نے محبت کرتے رسول کو دیکھا، چاہتے ہوئے رسولؐ کو دیکھا۔بغل گیر ہوتے رسولؐ کو دیکھا۔گود میں اُٹھاتے رسولؐ کو دیکھا۔لیکن ایک کردار ایسا ہے جس کی نظیر پوری تاریخ سیرتِ نبیؐ میں نہیں۔اور اس کو بھی ترمذی شریف سے پڑھ رہا ہوں، اور راوی بھی بہت معتبر ہے۔

عَنْ اُمِّ الْمُؤْمِنِیْنَ عَائِشَةَؓ۔قَالَتْ وَ مَارَاَیْتُ اَحَداً کَانَ اَشْبَهَ کَلَاماً وَّحَدِیْثاً بِرَسُوْلِ اللّٰهِ۔

فرماتی ہیں جناب عائشہؓ کہ میں نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا، کوئی انسان جو اتنا رسولؐ سے کلام میں اور گفتگو میں مشابہ ہو، اور اس کے بعد فرماتی ہیں کہ **"کُلَّمَا دَخَلَتْ عَلَیْهِ فَاطِمَةُ"** جب فاطمۃ الزہراؑ رسولؐ کے پاس جاتی تھیں۔ **"وَ مَرْحَبَا بِهَا وَ قَامَ اِلَیْهَا۔"** آپ کہتے تھے مرحبا، مرحبا اور کھڑے ہو جاتے **"وَ اَخَذَ بِیَدِهَا"** اور انکا ہاتھ پکڑتے تھے، لفظ یاد رہے۔جب بھی جاتی تھیں، **"وَ قَامَ اِلَیْهَا"** اور ان کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے۔ **"وَاَخَذَ بِیَدِهَا وَقَبَّلَهَا"** اور ان کا

ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے تھے، اور اسے بوسہ دیتے تھے۔ "وَ اَجْلَسَاهَا فِیْ مَجْلِسِهٖ" اور اپنی جگہ اس کو بٹھاتے تھے۔ (نعرۂ حیدری)

تو پھر معلوم ہوا کہ جس کی تعظیم رسولؐ کر رہا ہو، اس کی تعظیم ہم کریں گے یا نہیں؟ اور ظاہر ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: بَضْعَةٌ مِّنِّیْ۔

میرا ٹکڑا ہے، تو فاطمہؑ میں کوئی بات تو ہے کہ جو رسولؐ اس کی تعظیم کیلئے کھڑے ہو رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ نبوت کا پارہ ہے، تو پارہ پارے کا احترام کرتا ہے۔ (نعرۂ صلواۃ)

رسولؐ کو دیکھا تو ہم جھک گئے کہ رسولؐ تعظیم کر رہا ہے۔ تو ہمارے دل میں بھی تعظیم پیدا ہوئی۔ پھر بھی ہم نے دیکھا یہ بھی ترمذی شریف ہے کہ دو بچے دوڑتے ہوئے آئے، سرخ لباس (راوی نے یہی بتایا) دامن سے الجھے، گرے۔

فَاَنْزَلَ النَّبِیُّ عَنِ الْمِنْبَرِ۔ نبیؐ نے خطبہ چھوڑا، نیچے اترے، اٹھایا۔

اور جب رسولؐ اس طرح کسی کی طرف متوجہ ہوں گے تو کتنے مسلمان ہیں جو دیکھیں گے کہ یہ کون ہے جو آیا اور اسی بات کو صاحبِ درِ منثو نے دوسرے انداز سے بیان کیا ہے اور وہ حقیقت سے اتنے قریب ہیں کہ جب میں نے پڑھا معلوم ہوا کہ نقشہ کھینچ دیا گیا ہے اس میں حسنین کریمین کی بات نہیں، اس میں ہے کہ حسینؑ آئے اور حسینؑ کپڑے سے الجھے، الفاظ ہیں۔ فَسَکَتَ فَبَکٰی ۔ وہ گرے اور روئے، فَنَزَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ، اور نبیؐ نے دیکھا۔ فَسَاقَ اِلَیْهِ اَصْحَابُهٗ۔ سارے صحابہ حسینؑ کی طرف دوڑے، اور حسینؑ مِنْ یَدٍ بِیَدٍ ہاتھوں ہاتھوں حضورؐ کی گود میں پہنچ گئے۔ (نعرۂ صلواۃ)

یہ چیز، یہ حقیقت ہے کہ جب صحابہ کرامؓ نے دیکھا کہ رسولؐ اترے، سب متوجہ ہو گئے، سب کو حسینؑ عزیز تھا۔ اس لیے نبیؐ نے فرمایا تھا کہ

حُسَيْنٌ مِنِّیْ وَ اَنَا مِنَ الْحُسَیْنِ۔ حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔

دنیا اس امر کو نہیں سمجھتی کہ رسولؐ کیا کہہ رہے ہیں، مگر میں بتاتا ہوں رسول کہہ رہے ہیں کہ ہاتھ ہمارا، اور سخاوت حسینؑ کی، جگر ہمارا، اور شجاعت حسینؑ کی، اسلام ہمارا اور اشاعت حسینؑ کی، نبوت ہماری اور امامت حسینؑ کی، رسالت ہماری اور ولایت حسینؑ کی، اور دعویٰ ہمارا اور شہادت حسینؑ کی۔

ہمیں امامِ عالی مقام حضرت امام حسینؑ کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ تمام امتِ مسلمہ کے لیے تخت سے شریعت چھین لی۔

جتنے فرقے ہیں مالکی ہوں، شافعی ہوں، حنفی ہوں، حنبلی ہوں، جعفری ہوں، جتنے فرقے ہوں حسینؑ کا شکر گزار ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ حسینؑ نے تخت سے شریعت چھین لی، جن کے نام لے رہا ہوں وہ بادشاہ تو نہیں، یہ حسینؑ کا احسان ہے، کوئی شافعی ہے، کوئی مالکی ہے، کوئی حنفی، کوئی حنبلی ہے، کوئی جعفری ہے، کوئی رشیدی نہیں بنتا، کوئی منصوری نہیں بنتا، کوئی مامونی نہیں بنتا، کوئی یزیدی نہیں بنتا، یہ حسینؑ کا احسان ہے اس لیے ہم کہتے ہیں حسینؑ تجھ پر ہمارا اسلام ہو، کیونکہ تو رضائے ربّ کے لیے آگے بڑھا۔ یہ بات میں روزِ عاشور کی نہیں کہہ رہا، یہ باتِ ہے کہ جب عبداللہ بن عباسؓ نے پوچھا، کہ اے رسولؐ کے بیٹے، خدا کے لیے رک جایئے، کہاں نہیں جانا ہے، کہا کہ اچھا اگر آپ جاتے ہیں تو یہ بچوں کو، عورتوں کو نہ لے جایئے۔ تو امام نے عجیب جملہ فرمایا اور کہا عبداللہ ابن عباسؓ اللہ کی مرضی یہ ہے کہ ان بچوں کو قیدی دیکھے، ان عورتوں کو اسیر دیکھے، کس میں طاقت ہے، کس میں دم ہے، ہاں بڑی منزلِ رضا ہے، کہ جو منیٰ میں خلیلؑ ہاتھ میں چھری لیے بیٹے کو ذبح کرنا چاہتا ہے، لیکن خلیلؑ سے یہ تو پوچھو کہ جب تم مکے میں بیت اللہ کے پاس بیٹے کو چھوڑ کر گئے تھے تو کیا دُعا کی تھی خلیلؑ تم نے ''بارالہٰ یہاں میں نے چھوڑا ہے، ان کو آباد رکھنا، ان کو ثمرات دینا کیوں خلیلؑ تمہیں بڑا خیال ہے کہ میں نے چھوڑ دیا

ہے تو آباد ہی رہیں۔ ثمرات بھی ملیں، خوش بھی رہیں، حسینؑ کیسے دُعا کرے؟'' خلیلؑ کو تو حق ہے کہ دُعا کرے، حسینؑ کیسے دعا کرے؟ حسینؑ کیا دُعا نہیں کر سکتا۔ قدم قدم پر دعا کر رہے ہیں، لیکن یہ ہے کہ مالک سب کچھ ہے تو جانتا ہے، میں یہ کیسے کہوں کہ میں کسی کا باپ نہیں، میں یہ کیسے کہوں کہ میں کسی کا بھائی نہیں، میں یہ کیسے کہوں کہ میرا جوان بیٹا نہیں، سکینہؑ میری لاڈلی بیٹی نہیں، لیکن تو جانتا ہے۔

کہوں گا نہیں کہ تیری رضا کے منافی ہے، آئمہ کا یہ اصول ہے۔

امام صادقؑ گھبرا جاتے ہیں، بیٹا بیمار ہے، لوگوں نے پوچھا، یا بن رسول اللہ کیا بات ہے کہا بیٹا بیمار ہے۔ تھوڑی دیر بعد پھر اندر سے آئے، لوگوں نے دیکھا چہرہ بحال ہے، کہا مولا بیٹا کیا شفاء پا گیا؟ کہا نہیں مر گیا۔ کہا پہلے تو آپ غمگین تھے، کہا: ہم نے چاہا کہ وہ نہ مرے لیکن جب مر گیا تو رضائے ربّ سامنے آ گئی۔ امامت کا مزاج سمجھ گئے ناں آپ!

مجھے بڑی حیرت ہوتی ہے۔ بڑی حیرت ہوتی ہے، کہ اتنی مقدس شخصیتیں جن کے وسیلے سے اللہ سے مانگا جائے تو دعا پوری ہو جائے اور وہ اگر بال کھول کر زینبؑ آ جاتی کہ بار الہا! میرے بھائی کو بچانا تو آسمان کے فرشتے کہاں تھے۔

مگر بھائی بھی راضی ہے، بہن بھی راضی ہے، بڑی سخت منزل ہوتی ہے میں تو تصور بھی نہیں کر سکتا، حسینؑ نے تصور کو جو تصور میں نہیں آ سکتا، اس کو حقیقت میں بدل دیا، یعنی آپ خود انسان ہیں اور کسی کے جذبات کو محسوس کر سکتے ہیں۔ چھری مجھے لگ جائے ...... برداشت، گردن کٹ جائے ...... برداشت، بیٹا مر جائے برداشت، بھائی مر جائے ...... برداشت، لیکن جب کوئی آخری وقت دیکھے کہ مردوں میں کوئی نہیں رہا اور صرف عورتیں ہی عورتیں، تو وہ یہ نہیں کہے گا کہ کیا یہ مکہ ہے جو خلیلؑ چھوڑ کر جا رہے ہیں، وہاں تو کوئی دشمن اسمٰعیلؑ اور حاجرہ کا نہیں تھا۔ مگر یہاں تو دشمن موجود ہیں، کس سے کہیں؟ مسلمانوں سے کہیں، مسلمانو! میں جا رہا ہوں، ذرا خیال رکھنا، کس سے کہیں؟ تو اس نے کہا الٰہی!

اے فریاد رسی کرنے والے! میں جارہا ہوں اور جانتا ہوں بعد میں کیا ہوگا۔

"رِضاً بِقَضَائِهٖ وَتَسْلِيماً لِاَمْرِهٖ"

تیری رضا پہ راضی ہوں، اور تیرے فیصلے پر میں مطمئن، اور نہیں نہیں بلکہ ایک مرتبہ جب جانے لگے تو پیروں پہ ذوالجناح کے سکینہؑ لپٹ گئی۔ ذوالجناح نے آگے چلنے سے انکار کیا، حسینؑ نے کہا ذوالجناح اب تو عصر کا وقت آ گیا ہے۔ اب تو منزل قریب ہے، ذوالجناح نے اشارہ کیا کہ سکینہؑ سموں سے لپٹی ہوئی ہے۔ کہہ رہی تھی کہ گھوڑے بابا کو نہ لے جاؤ۔ واپس نہیں آئیں گے۔ کیونکہ چچا عباسؑ بھی یہی کہہ کے گئے تھے، تو واپس نہیں آئے۔ اب یہ منزلِ رضا کی معراج ہے، حسینؑ نے ایک مرتبہ سکینہؑ کو اٹھایا اور گلے سے لگایا۔ اور کہا کہ اے مری نمازِ شب کی دعاؤں کی ثمر، بابا کیا بات ہے؟ کہا بیٹی تو مجھے بہت عزیز ہے۔ کہا بابا آپ سے بھی مجھے بہت پیار ہے۔ کہا محبت کرتی ہے ناں مجھ سے، کہا بیٹی میں نے تیرے اللہ سے وعدہ کیا تھا، سکینہؑ مجھے بڑی محبوب ہے، لیکن جب تو بلائے گا تو میں سکینہؑ کو چھوڑ دونگا۔

سکینہؑ تو بھی وعدہ کر کہ جب طمانچے پڑیں گے، دُر چھینے جائیں گے، تو تُو آوازِ استغاثہ بلند نہیں کرے گی۔ سکینہؑ نے حسینؑ کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

بابا.......... میں وعدہ کرتی ہوں۔

شامِ غریباں آ گئی، خیموں میں آگ لگ رہی ہے، سکینہؑ کے کرتے میں آگ لگی ہوئی ہے۔ کوئی آگ بجھانے والا نہیں۔ ادھر خیمے سے آواز آ رہی ہے۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ ، وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ.

تسبیح کی آواز، اور ادھر زینبؑ حسینؑ کی لاش پر کھڑی ہوئی کہہ رہی ہیں۔

یاالٰہی! یہ قربانی قبول ہو جائے۔ یہ قربانی قبول ہو جائے!

☆☆☆

علم

(علامہ نصیر الاجتہادی)

﴿ يَا اَبَتِ اِنِّیْ قَدْ جَاءَنِیْ مِنَ الْعِلْمِ مَالَمْ يَاتِيْكَ فَاتَّبِعْنِیْ اَهْدِكَ صِرَاطاً سَوِيّاً ﴾

جناب حضرت ابراہیمؑ اپنے چچا آذر سے کہتے ہیں کہ میرے پاس جو علم آیا ہے وہ آپ کے پاس علم نہیں، میری پیروی کیجئے! میں آپ کو سیدھے رستے پر لے چلوں گا۔

یہ کون سا علم ہے جو حضرت ابراہیمؑ کے پاس ہے اور آذر کے پاس نہیں؟

ایک انسانی علم ہوتا ہے، اور ایک غیبی علم ہوتا ہے۔ ایک کسبی علم ہوتا ہے اور ایک وہبی علم ہوتا ہے۔ ایک مادی علم ہوتا ہے اور ایک روحانی علم ہوتا ہے۔ ماخذِ علم کے اعتبار سے مادی علم کی دو قسمیں ہیں، ایک بلا واسطہ اور ایک بالواسطہ............!

بلا واسطہ کی تین قسمیں ہیں۔ وجدان، فطرت، وضاحت اوّلیہ۔

وجدان یعنی اپنے وجود کا احساس۔ فطرت جیسے طائرانِ صحرائی کا اپنے بچوں کو اڑانا اور طائرانِ آبی کا اپنے بچوں کو تیرانا اور وضاحتِ اوّلیہ جیسے بھوک، پیاس کا احساس اور گرمی و سردی کا احساس..................!

بالواسطہ کی دو قسمیں ہیں، ایک علم بلاحساس، ایک علم بالعقل، انسان کے پاس پانچ قوتیں ہیں، باصرہ، سامعہ، شامیہ، ذائقہ، لامسہ۔ یہ حواس جب محسوس کرتے ہیں تو

اس کو علم بالعقل کہتے ہیں۔

لیکن علم سے ہماری مراد یہ علم نہیں ہے، بلکہ ہماری مراد علم سے وہ علم ہے جو پردۂ غیب سے انبیاءً کرامؑ پر نازل ہوتا ہے۔ علم اِس کو بھی کہتے ہیں لیکن اس پر علم کا جزوی اطلاق ہوتا ہے اور جس علم کو انبیائے کرامؑ حاصل کرتے ہیں اُس پر علم کا کلی اطلاق ہوتا ہے۔ علم کے مترادفات دیکھ کر عقلیت پسندوں کو دھوکہ ہوگیا، کہ یہ بھی علم ہے۔ حالانکہ وہ علم نہیں تھے۔ تو اب ہم علم کے مترادفات آپ کے سامنے بیان کرتے ہیں کہ جن پر علم کا جزوی اطلاق ہے تاکہ انہیں آپ علم کامل نہ سمجھیں۔ پہلے اَلْاِدْرَاک یعنی اَلْاِلْـقَـاءُ الْـمَسْئُوْل یعنی مدرک تک پہنچنا اَلْبِـدْعَات هِیَ مَعْرِفَةٌ الْـحَاصِلَةِ بِالْاَصْلِ لَابِسَبَبِ الْفِكْرِ، اس کے آگے بدیعت ہے، جس کے معنی ہیں وہ معرفت جو بغیر فکر کے ہو، اس کے آگے ہے اَلتَّصَوُّر، بدیعت اِدْرَاكُ مُدْرَكٍ بِكَمَالِهٖ، مدرک کا کامل ادراک، اس کے آگے ہے اَلتَّـذَكُّـر، هِیَ صُوْرَةٌ مَحْفُوْظَةٌ صورتِ محفوظہ کا واپس آنا، اس کے آگے ہے، وِجْدَانُ صُـوْرَـةٍ زَائِلَةٍ، صورت زائلہ کا پایا جانا، اس کے آگے ہے اَلذَّكَاء، جس کے معنی ہیں شِدَّةُ الْحِس، اور اس کے آگے ہے العلم، جس کے معنی ہیں حُـصُـوْلُ صُوْرَةٍ بِالْاَصْل، اصل صورت کا عقل میں آنا، اس کے آگے ہے اَلْـحَـقُّ تَجَسُّسٌ بَیْنَ الطَّرْفَیْنِ جس کے معنی ہیں دو طرفوں میں سے بیچ کا راستہ اختیار کرنا۔ (نعرۂ صلواۃ)

اس کے آگے ہے اَلْحِكْمَةُ، اَلْـعِلْـمُ زُبْـدَةٌ فِیْهِ حَقَائِقُ الْاَشْیَاءِ عَلٰی مَـایَلِیْقُ بِـحَیْـثُ طَاقَةِ الْبَشْرِیَّةِ، وہ علم ہے جس میں حقائق اشیاء پہ بحث کی جائے، بقدرِ طاقتِ بشری، اس کے آگے ہے اَلْـحَـاضِـرُ الْخَاطِر جس کے معنی ہیں حـاضِـر

بِـالـنَّـفْـس، اس کے آگے ہے اَلْـخـبـری ۔ جس کے معنی ہیں عِـلْـمُ الْمُجَرَّبَات ِ، مجرّ بات کا علم ہونا اس کے آگے ہے اَلْخِیَال، جس کے معنی ہیں اَلْعِبَارَۃُ عَیْنُ الصُّوْرَۃِ، صورت سے مراد ہے اس کے آگے ہے شُعُوْرُ الـدّراک بغیر استثبات ، بغیر ثبوت ادراک ہونا چاہے، اس کے آگے ہے الـذهـن، اعتقـاد الراجح، جو وزنی پہلو ہو اس کا اعتقاد کرنا، اس کے آگے ہے، انو اهم اعتقاد غیر المرجوع غیر وزنی پہلو ہو اس کا اعتقاد کرنا، اس کے آگے ہے الفهم ، جس کے معنی ہیں الحصول صورة شئی ، اس کے آگے ہے الفتنة ، وهی تنبه الشیء ، شئے سے آگہی، اس کے آگے ہے الفکر وهی وقوف علیٰ عرض المخاطب اور وقف ہونا۔ غرضِ مخاطب پر اور اس کے آگے ہے الفراست، استدلال من خلق الظاهر علیٰ خُلق باطن ، خلق ظاہر سے خلق باطن پر استدلال کرنا۔ اور اس کے آگے ہے الفکر، ترتیب الامور معلومته لاتعدی الیٰ مجهول ، امور معلومہ کو اس طرح معلوم کرنا کہ مجهول سامنے آجائے ، نا مجهول شعور میں آجائے (نعرہ صلواۃ)

یہ ہیں علم کے مترادفات............! جن پر شبہ ہوتا ہے کہ یہ علم ہیں لیکن یہ علم نہیں ہیں۔ علمِ کلی و حقیقی جو ہے وہ علم انبیائے کرامؑ ہے، جس کو زبانِ دین میں وحی کہتے ہیں۔ لہذا ہم اپنا ہاتھ انبیائے کرام کے ہاتھ میں دیں گے۔ فلاسفہ کے ہاتھ میں نہیں دیں گے۔ (نعرہ صلواۃ)

کیونکہ فلاسفہ کا علم ظنّی ہے: ﴿وَ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنَّ الظَّنَّ لَایُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا ﴾ (النجم:۵۳)

قرآنِ حکیم کہتا ہے کہ ان کے پاس علم نہیں...... ظن ہے اور ظن حق کی جگہ نہیں

لے سکتا۔ تو ہم فلاسفہ کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دیں گے۔ اس لیے کہ فلاسفر جو ہیں وہ ظن رکھتے ہیں اور زندگی کا سفر ازل سے لیکر ابد تک کا سفر شک وریب کے سیارے پر نہیں ہوسکتا۔ اس کے لیے یقین کے براق کی ضرورت ہے۔ (نعرۂ حیدری)

اور دنیا سے آخرت کا سفر تذبذب اور تشکیک کی کشتی شکستہ پر نہیں ہوسکتا۔ اس کے لیے سفینۂ نجات کی ضرورت ہے۔ لہذا ہم فلاسفہ کے پاس، جن کے پاس گمان ہے، ظن ہے، وہم ہے، ان کے پیچھے نہیں چلیں گے۔ وہ جو ابراھیمؑ نے کہا تھا کہ فَاتَّبِعُوْنِیْ میرے پیچھے چلئے۔ کیونکہ میرے پاس علم ہے تو ہم اس کے پاس چلیں گے کہ جن کے پاس علم ہے۔ (نعرے)

اور فریب خوردہ دانشِ علم کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ خود فلاسفہ بھی اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ ہمارے پاس علم نہیں ہے۔ یہ ہیں کیلیفورنیا کی رسد گاہ کے ڈاکٹر الیگزنڈر سے پوچھا کہ آپ ہمیں کائنات کے بارے میں بتائیں تو انہوں نے کہا کہ کائنات اس طرح مرتب ہوئی ہے کہ اس کا نہ پہلا ورق ہمارے سامنے ہے اور نہ ہی آخری ورق ہمارے سامنے ہے۔ ہم اس کے متعلق کیا بتا سکتے ہیں اور ان سے ملئے یہ ہیں مشہور فلسفی برگسان، کیا ہم فلسفے کی روشنی میں سفر طے کر سکتے ہیں؟ تو کہتے ہیں کہ عقل کی روشنی میں زندگی کا سفر اس لیے طے نہیں ہوسکتا کہ عقل ایک خاص مقصد کیلئے بنائی گئی ہے۔ جب اس بلند مقصد کی طرف عقل جائے تو وہاں ممکنات کا سراغ لگا سکتی ہے۔ حقیقت کا پتہ نہیں بتا سکتی۔

اور یہ ہیں فلسفی سرجیمز یہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ حقیقتِ متعلقہ تک نہیں پہنچے، ہم فلسفیوں اور سائنس دانوں کی مثال مشہور عالم تمثیلِ افلاطون یہ ہے کہ ہم زنجیروں میں

جکڑے ہوئے ہیں۔ غار کے کنارے بیٹھے ہیں اور اندھیرے کی طرف منہ ہے۔ اجالے کی طرف پشت ہے۔ جو کچھ نظر آتا ہے وہ چلتی پھرتی پرچھائیاں ہیں اور کبھی کبھی مدہم سی کرن نظر آتی ہے ارر ممکن ہے وہ بھی فریبِ نظر ہو اور یہ ہے مادیت کے امام ہیکل جو کہتے ہیں کہ آج بھی ہم کائنات کی عقدہ کشائی سے اتنے ہی دور ہیں جتنا دو ہزار چار سو سال قبل حکمائے یونان اور دو سو سال قبل گوئٹے اور سو سال قبل نیوٹن۔

اور یہ ہیں سر فرانسس ینگ جو کہتے ہیں کہ ہم فلسفی اور سائنس دان یہ کہتے ہیں کہ علم کا سمندر بے کنار ہے۔ اور اک مشہور فلسفی کا کہنا ہے کہ ہم کتنی ہی پرواز کر سکیں، بہر حال ہمیں جہل کا اقرار کرنا پڑتا ہے اور یہ ہیں نیوٹن جو کہتے ہیں کہ میں سمندر کے ساحل پر سیپیاں چن رہا ہوں، موتی کا پتہ نہیں ہے اور یہ ہیں سقراط جو کہتے ہیں کہ میں یہ جانتا ہوں کہ کچھ نہیں جانتا...........!

تو اب سمجھے کہ ہم فلاسفہ کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ نہیں دے سکتے، انبیائے کرامؑ کے ہاتھ میں ہاتھ دیں گے، کیونکہ ان کے پاس علم ہے، یقین ہے، ودیعت ہے اور ان کے پاس ظن ہے، وہم ہے، گمان ہے، قیاس ہے، تقلید ہے۔

تو اب دونوں میں آپ فرق دیکھ لیں، ایک کہتا ہے کہ میرا یہاں سے فاصلہ وہاں تک چالیس گز ہے (اندازے سے) ایک فیتے سے ناپ کر کہتا ہے کہ پچتالیس گز ہے، تو فیتے کی ناپ صحیح ہوگی کیونکہ وہ مرتب و منظم اسی لیے ہوا ہے۔ ایک شخص کہتا ہے کہ آسمان حدِ نظر ہے۔ اور ایک کہتا ہے کہ میں آسمانوں کی سیر کر کے پلٹا ہوں۔

(با آوازِ بلند نعرۂ صلواۃ)

ایک کہتا ہے کہ قبر میں اندھیرا ہے، ایک کہتا ہے کہ میں وہاں موجود ہوں گا اور

جہاں میں موجود ہوں گا وہاں سویرا ہے۔ ایک کہتا ہے کہ جنت کی حقیقت کچھ بھی نہیں۔ ایک کہتا ہے کہ میں جنت و دوزخ کا بانٹنے والا ہوں۔ ایک کہتا ہے کہ کوثر ایک افسانہ ہے، ایک کہتا ہے کہ میں اس کا ساقی ہوں وہ میرا مئے خانہ ہے۔

ایک کہتا ہے اندھیرے میں چھلانگ موت ہے، لیکن ایک کہتا ہے نہیں مرنے کے بعد اُٹھنا ہے۔ یا جنت مقام ہے یا دوزخ میں ٹھکانہ ہے۔ تو اب آپ سمجھے! ایک طرف نور ہے، ایک طرف تاریکی۔ ایک طرف موت ہے تو ایک طرف زندگی۔ ایک طرف سرکشی ہے اور ایک طرف بندگی۔ ایک طرف زوال ہے دوسری طرف پائندگی۔ ایک طرف ظلمت کا سکہ ہے دوسری طرف ذوفشاں مشعل۔ ایک طرف فلسفے کی نادانی ہے، دوسری طرف علم کی ہمہ دانی، ایک طرف الجھے ہوئے مسائل ہیں، دوسری طرف سلجھے ہوئے وسائل۔ ایک طرف نیوٹن، فرانس، کانٹ، گوئٹے کا ڈیرہ ہے اور ایک طرف موسیٰؑ، عیسیٰؑ، مصطفیٰؐ کا چہرہ ہے۔ ایک طرف ڈائس ہے، میکاولی ہے، دوسری طرف حسینؑ ہے، علیؑ ہے۔ (نعرۂ حیدری)

تو ہم اس کی طرف جائیں گے، کس کی طرف جانا ہے۔ ہم تو انبیاء کرامؑ کی طرف جائیں گے جن کو علم غیب سے ملا ہے اور ہر ایک (نبیؑ) کو ملا ہے۔

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِيْزَانَ لِيَقُوْمُوْنَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ۔﴾ (الحدید:۲۵)

ہم نے اس لیے کتابیں اتاریں، رسول اتارے کہ ان کے ساتھ دلائل بھی ہوں۔ دعوے بھی ہوں، براہین بھی ہوں۔ اور علم کے ساتھ ساتھ کتاب بھی ہو، علم وحکمت بھی ہو، تاکہ معاشرہ انسانی انصاف پر قائم ہو سکے۔

تو اب آپ سمجھیں کہ ہر نبیؑ کو علم ملا، کسی کو بچپنے میں ملا،

﴿ یَایَحْیٰی خُذِ الْکِتَابَ بِقُوَّۃٍ وَّ اٰتَیْنَاہُ حُکْماً صَبِیّاً۔﴾

اے یحییٰ! کتاب کو تھام، ہم نے بچپنے میں حکمت دے دی۔

اور کسی کو گہوارے میں ملا۔

﴿اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ اٰتَانِیَ الْکِتَابَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیّاً۔﴾

میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں اور مجھے نبوت ملی ہے اور کتاب ملی ہے۔

اور کسی کو پیدائش سے پہلے ملا۔

﴿ قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلَامٍ عَلِیْمٍ۔﴾

خوفزدہ ابراہیمؑ نہ ہو ہم تم کو ایسے بچے کا پتہ بتاتے ہیں۔ بشارت دیتے ہیں کہ جس سے علم کبھی جدا نہیں ہوگا۔.........اور کسی کو علمِ خصوصی ملا۔

﴿عَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا۔﴾

آدمؑ کو اسماء حسنٰی ملے اور یہ ہیں یوسفؑ

﴿ وَ عَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ۔﴾

بارالٰہا! تیرا شکریہ کہ تو نے تاویل احادیث کا علم دیا اور یہ ہیں داؤدؑ

﴿و عَلَّمْنَاہُ صَنْعَۃَ لَبُوْسٍ لَّکُمْ۔﴾

کہ اللہ کہتا ہے کہ ہم نے ان کو زرہ سازی کا علم دیا۔

اور یہ خضر علیہ السلام ہیں، جسے علم لدنی ملا۔ ﴿وَ عَلَّمْنَاہُ مِنْ لَّدُنَّا۔﴾

اور یہ ہمارے حضورؐ ہیں کہ

﴿وَ عَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْماً۔﴾

جو کچھ ہے رسول جو تمہیں معلوم نہ تھا وہ سب کچھ ہم نے بتا دیا۔

تو ہمارے رسولؐ کو سب کچھ مل گیا، سب کچھ بتا دیا گیا،

﴿ اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ۔ ﴾

پہلے قرآن آیا، پھر خلقت آئی، تو ہمارے حضورؐ کو ہر چیز کا علم مل گیا اور غیب کے پردے کُھل گئے، وہ کہتے ہیں: ﴿ وَ لِلّٰهِ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ۔ ﴾

اللہ تعالیٰ کے لیے ہی غیب ہے، تم رسولؐ کے لیے کیسے کہتے ہو؟ ہاں ٹھیک ہے، غیب اللہ کیلئے ہے، ذاتی طور پر غیب اللہ کا ہے اور صفاتی طور پر رسولؐ کا ہے۔

﴿ عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖ اَحَداً۔ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنَ الرُّسُلِ ﴾

(الجن:۲۶)

وہ عالم الغیب ہے کسی کو غیب کا علم نہیں دیتا، ہاں مگر وہ رسولوں میں سے جو کوئی مرتضٰی ہوتا ہے۔

﴿ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ یَّشَآءُ۔ ﴾

اور کہیں کہتا ہے میں رسولوں کو دیتا ہوں، جو مجتبٰی ہوتا ہے۔ تو ہمارے رسول سے زیادہ مرتضٰی اور مجتبٰی اور کون ہوگا؟ کیا کوئی ہمارے رسولؐ سے بڑا ہے؟ آدمؑ سے لیکر عیسیٰؑ تک، میرے رسولؐ کا مقابلہ نہیں ہوسکتا۔ جس کی حیات کی خیرات نے خضرؑ کو عمر جاودانی دے دی، جس کے عزم کی بھیک نے یوسفؑ کو حکمرانی دے دی، جس کے فیضِ وجود نے عیسیٰؑ کو زندگانی دے دی، اور جس کی سنت نے قیامت تک کے انسان کو شریعتِ ربانی دے دی۔ اور جس کی عظمت کے عروج نے قوسین کو نظارہ دے دیا، اور جس کی رحمت کے نزول نے کونین کو سہارا دے دیا۔ (نعرے)

طائرانِ انجیلی کہاں، طاہرانِ قرآنی کہاں، بساطِ سلیمانی کہاں، اورارض وسماء کی حکمرانی کہاں، مقام خلعت کہاں، مقامِ حبیبِ یزدانی کہاں؟!

طورِ مکانی کہاں، لامکانی کہاں، لن ترانی کہاں، من دانی کہاں، طور پر مہمانی کہاں، نور پر میزبانی کہاں، اور جو قاب قوسین کی فضاؤں میں پرواز کر رہا ہو وہ فردِ انسانی کہاں اور جس کا سایہ نہ ہو اس کا ثانی کہاں؟! (نعرے)

اللہ نے جتنا مناسب سمجھا علم دیا۔ اور ایسا لفظ اختیار کیا جس پر کسی فرقہ کو اختلاف نہیں۔

﴿ وَ مَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ۔﴾

رسول کی تعریف میں ہے کہ وہ غیب پر بخیل نہیں ہوتا، یعنی اس نے چھپا کر نہیں رکھا تقسیم کر دیا۔

صحیح مسلم شریف کی حدیث ہے کہ رسول اللہ نے ہمارے ساتھ فجر کی نماز پڑھی اور منبر پر تشریف لے گئے اور خطبہ دیا۔ یہاں تک کہ ظہر کا وقت آیا۔ نماز پڑھی، اور منبر پر آئے تو ہم کو جو ماضی میں تھا وہ بھی بتایا اور جو ہونے والا ہے وہ بھی بتایا تو اب قرآن بھی کہہ رہا ہے۔ حدیث بھی کہہ رہی ہے اور صحیح مسلم کا تقاضا یہ ہے کہ تسلیم کیا جائے! تو آپ دیکھیں کہ حضورؐ نے چھپا کر نہیں رکھا۔ حضورؐ سراجِ منیر ہیں، جب روشن آفتاب اپنی کرنیں کسی سے نہیں چھپاتا، بلکہ اس کی کرنیں جس طرح شاہی محل کے طلسم کدہ پر ضوفشاں ہوتی ہیں، ابرِ باراں کے چھینٹے جیسے نشیب پر پڑتے ہیں ویسے ہی فراز پر، ہر قطعہ کشادہ، قطعہ افتادہ پر، ہر سد و ایجاد پر، کوئی تمیز نہیں رہتی اس کی عطا مسلسل ہے۔ لیکن ایک شئے ہے صلاحیتِ ظرف، یہ فیاض کے پاس نہیں ہوتا، یہ الگ سے عطائے الٰہی ہے یہ انسانوں میں ہی نہیں بلکہ مخلوقات میں بھی دیکھئے۔

آفتابِ عالم تاب کی کرنیں، ہر خشک و تر پر پڑتی ہیں۔ خشت و حجر کے قلب و جگر پہ، کچھ پتھر بدنصیبی کی چادر اوڑھ کر سوئے رہتے ہیں اور آفتاب عالم تاب کی کرنیں طائرانہ اِدھر اُدھر سے گزر جاتی ہیں۔ کچھ پتھر اپنا دستِ شوق بڑھا کر، جلوؤں کو سمیٹ کر اپنی دنیا رنگ و بو سے آباد کر لیتے ہیں۔

کوئی زمرد بنا، کوئی پکھراج بنا، کوئی نیلم، کوئی درِ نجف، اب اگر پتھر کہیں ہم بھی سنگ یہ بھی سنگ، ہم بھی پتھر، یہ بھی پتھر، تو دنیا کہے گی ٹھیک ہے، تم بھی سنگ، یہ بھی سنگ، مگر تمہارا رنگ اور ان کا رنگ اور۔ تمہارا ڈھنگ اور ان کا ڈھنگ اور، تم پیر میں آنے کے قابل، یہ تاجِ شاہی کی زینت بننے کے لائق، تم عمارت کے لائق، یہ زیارت کے لائق، تم جھٹکنے کے قابل، یہ رکھنے کے قابل، تم سنگِ آستانہ بنے، یہ انگوٹھی کا نگینہ بنے، تم پیر میں آئے، یہ سر پہ آئے، تم فرش مکیں، یہ عرش نشیں، تم جگہ جگہ، یہ کہیں کہیں۔ (نعرے)

اسی طرح آپ دیکھیں کہ ایک ہی کان میں کوئلہ بھی ہے، ہیرا بھی..........!

ایک کالا، ایک گورا، ایک سیاہ، ایک سفید، ایک اعلیٰ، ایک ادنیٰ، ایک کفر کی آب و گل، ایک مومن کا دل۔ (نعرۂ صلواۃ)

اب اگر کوئی کہے کان ایک ہے، مکان ایک ہے، خاندان ایک ہے۔ اب آپ سمجھے کہ ایک تاجِ شاہی میں ضو دیتا ہے اور ایک انگیٹھی میں لَو دیتا ہے۔ (داد و تحسین)

ایک محروم، ایک پُر فیضِ باری، ایک نوری، ایک ناری۔ ہوا ایک، فضا ایک، ماحول ایک، حکایت ایک، روایت ایک، لیکن وہی قوت فاعلیہ، کہیں گل بنی، کہیں خار، اب اگر خار، گل سے کہے، ایک ہی نسل ہے ایک ہی اصل ہے ایک ہی شجرہ ہے تو گل کہیں گے کہ ہم میں رنگ و بو کا امتزاج، تم بدرنگ و بد مزاج، ہم گلے کا ہار، تم ذلیل

وخوار............!
(نعرۂ حیدری)

اسی طرح جب حضورؐ نے خطبہ دیا تو منافقین بھی تھے، صحابہ کرامؓ بھی تھے، صحابہ کرامؓ کو سب کچھ مل گیا اور منافقین سر پیٹتے ہوئے باہر نکل گئے۔

﴿ قَالُوْا لِلَّذِیْنَ اُوْتُو الْعِلْمَ مَا قَالَ آنِفاً۔ ﴾

قرآن کہتا ہے کہ جب دربار سے نکلتے ہیں تو صاحبانِ علم سے پوچھتے ہیں کہ ابھی رسولؐ کیا کہہ رہے تھے؟ تو منافقین کو کچھ نہیں ملا، صحابہ کرامؓ کو سب کچھ مل گیا۔ اب ان میں کوئی قوی الحافظہ ہے، کوئی غیر قوی الحافظہ، کسی کے لیے دعائے خصوصی بھی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: یارسولؐ اللہ!

اِنِّیْ اَسْمَعُ اَشْیَآءَ کَثِیْرَۃً وَلَا اَحْفَظُھَا۔

میں بہت سی چیزیں آپؐ سے سنتا ہوں لیکن یاد نہیں رکھ سکتا۔ تو حضورؐ نے فرمایا

یَااَبَاھُرَیْرَۃ ! فَابْسُطْ رِدَاکَ عَلَی الْاَرْضِ۔

اے ابوھریرہؓ اپنی چادر زمین پر پھیلا دے، کہتے ہیں۔

فَبَسَطْتُ وَحَفِظْتُ حَدِیْثاً وَ لَمْ نَسِیْتُ حَرْفاً وَّاحِداً۔

حضورؐ نے بہت سی حدیثیں سنائیں۔ جن میں سے ایک بھی میں بھول نہ سکا۔ تو آپ نے دیکھا کہ اگر ابو ہریرہؓ کی چادر ہو اور رسولؐ کچھ پھونک دیں تو حافظہ ایسا کہ کچھ نہ بھولے تو اگر حضرت ابو ہریرہؓ کی چادر میں اتنی تاثیر ہے تو جس پر چادرِ تطہیر ڈال دی ہو، ان کا کیا حال ہوگا۔
(نعرۂ صلواۃ)

اور جن سے روایت بھی ہے کہ خود حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ

اِنِّیْ اَحْضُرُ کُلَّ یَوْمٍ وَّکُلَّ لَیْلٍ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ۔

میں ہر دن ورات رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔

اِذْ سَئَلْتُ فَاَجَابَ۔ جب سوال کرتا تھا تو جواب ملتا تھا،

وَ اِذَا خَتَمْتُ مَسَائِلِیْ وَ سَکَتُّ فَابْتَدَاَ۔

اور جب مسائل ختم ہو جاتے تھے اور میں چپ ہو جاتا تھا تو پھر سے ابتداء کرتے تھے۔

وَمَا نَزَلَتْ آيَةُ الْقُرَآن اِلَّا قَرَأَ ینسیها وَ اَمْلَأَنِیْ۔

تو ایسی قرآن کی کوئی آیت نہیں اتری جو حضورؐ نے مجھے پڑھائی نہ ہو اور مجھے لکھوائی نہ ہو،
میں نے اپنے ہاتھ سے لکھا اور رسولؐ نے دعا کی کہ یہ مجھے سمجھ میں آجائے اور یاد رہے۔

اور پھر میں نے جب یاد کر لیا تو کچھ نہیں بھولا............! (نعرے)

اور مجھے اس کی تاویل بھی بتائی، اور مجھے لکھوائی۔

فَوَضَعَ يَدَهٗ عَلٰی صَدْرِیْ وَ دَعَا اللّٰهَ۔

اور پھر حضورؐ نے اپنا ہاتھ میرے سینے پہ رکھا، اور اللہ سے دُعا کی کہ!

اَنْ يَّمْلَأَ صَدْرِیْ بِعِلْمٍ وَّ نُوْرٍ وَّ فِقْهٍ۔

میرے سینے کو علم سے، نور سے، فقہ سے لبریز کر دے۔

وَلَمْ اَنْسَهَا حَرْفاً وَّاحِداً۔ اس کے بعد ایک حرف بھی فراموش نہیں ہوا۔ (نعرۂ حیدری)

علامہ شبلی نعمانیؒ "سیرتِ نعمان" کے صفحہ نمبر ۲۲۱ پہ لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ کو اس لیے رسولؐ کے احوال سے مطلع ہونے کا موقع ملا کہ بچپنے سے ان کے ساتھ تھے۔ اور جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ کثیر الروایت کیوں ہیں؟ یعنی زیادہ روایت کیوں کرتے ہیں؟ تو کہا اس لیے کہ جب پوچھتا تھا تو جواب دیتے تھے اور جب چپ ہو جاتا تھا تو خود شروع ہو جاتے تھے۔ (نعرۂ صلواۃ)

اسی لیے حضورؐ نے فرمایا: يَاعَلِیُّ! اَلْزِمِ التَّوْحِيْدَ فَاِنَّهٗ رَاسُ مَالِیْ۔

توحید کو لازم پکڑ کہ وہ میرا سرمایۂ مال ہے۔

وَ اَلْزِمِ الْعَمَلَ اور عمل مسلسل کرتا رہ، اِنَّہٗ حِرْفَتِیْ کہ وہ میرا پیشہ ہے۔ وَ اَلْزِمِ الصَّلٰوۃَ اِنَّھَا قُرَّۃُ عَیْنِیْ اور نماز مسلسل پڑھتا رہ کہ وہ میرے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ وَ اذْکُرِ الرَّبَّ اور ربّ کا مسلسل ذکر کرتا رہ۔ اِنَّہٗ بَصِیْرَۃُ فُؤَادِیْ کیونکہ وہ میرے دل کی بصیرت ہے اور فَاسْتَعْمَلِ الْعِلْمَ اِنَّہٗ مِیْرَاثِیْ، علم کو استعمال کر کہ وہ میری میراث ہے۔ (نعرے)

جب رسولؐ کہہ دیں کہ استعمال کر........... اور علیؑ استعمال نہ کرے تو خلافِ حکم رسولؐ ہے کہ نہیں؟ لہذا استعمال کرتے ہیں:

یَاَاَیُّھَا النَّاسُ .... سَلُوْنِیْ قَبْلَ اَنْ تَفْقِدُوْنِیْ ،
ھٰذَا ضَبْطُ الْعِلْمِ، ھٰذَا لُعَابُ رَسُوْلِ اللّٰہِ

لوگو..........! پوچھو قبل اس کے کہ میں دنیا سے اٹھ جاؤں، یہ علم کا خزانہ ہے، یہ لعاب رسولؐ ہے، اسے رسولؐ نے مجھے پلایا ہے۔

کاش مجھے آرام وسکون کی مسند ملتی تو میں: وَجَلَسْتُ وَ اُفْتِ اَھْلَ التَّوْرَاۃِ بِالتَّوْرَاۃِ وَ اَھْلَ الْاِنْجِیْلِ بِالْاِنْجِیْلِ وَ اَھْلَ الْقُرْآنِ بِقُرْآنِھِمْ۔

توراۃ والوں کو (یہ نقطہ خاص ہے) تورات سے فتویٰ دیتا، اور انجیل والوں کو انجیل سے فتویٰ دیتا، اور قرآن والوں کو قرآن مجید سے فتویٰ دیتا، میں کہوں گا یا علیؑ، آپ تو عالمِ قرآن ہیں۔ تورات کی طرف کیسے جارہے ہیں؟ انجیل کی طرف کیسے جارہے ہیں؟ تو آپؑ نے کہا کہ میں عالمِ قرآن بھی ہوں، عالمِ تورات بھی اور عالمِ انجیل بھی.......... اس لیے کہ میں نمائندہ نظامِ مصطفیٰؐ ہوں۔

نظامِ مصطفیٰؐ بتارہے ہیں کہ تورات والوں کو تورات سے فتویٰ ملے گا، انجیل والوں کو انجیل سے فتویٰ ملے گا اور قرآن والوں کو قرآن سے ....! معلوم ہوا (توجہ اس نقطے پر) کہ نظامِ مصطفیٰؐ جہاں رائج ہوگا وہاں ایک کی فقہ دوسرے کی فقہ پر مسلط نہیں ہوگی۔ (نعرۂ حیدری)

اب آپ کہیے کہ جب رسولؐ کے علم کا سمندر، اور علم کا گھر، اور علیؑ سا علم کا در، اور صحابہ کرامؓ سے علم کا پیکر، جس قوم میں موجود ہو، وہ قوم جاہل کیسے ہوسکتی ہے۔

تو یہ جو نوے کروڑ مسلمانوں میں جہالت زیادہ ہے اس کی وجہ کیا ہے؟ جن میں رسول بھی ہیں، علیؑ بھی ہیں، صحابہ کرامؓ بھی ہیں، پھر بھی ہم میں جہالت تو اس کی وجہ کیا ہے؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ ملوکیت علم کی دشمن ہے۔ حکمت پہ قدغن ہے۔ آگہی کی رہزن ہے، ہم پہ ملوکیت مسلط رہی۔

اٹالین فلسفی لکھتا ہے کہ اگر بادشاہت آدمی ہوتی تو اپنا نسب نامہ یوں بیان کرتی، میں ظلم ہوں، میرا باپ شر ہے، میری ماں شرارت ہے، میرا بھائی فریب ہے، میری بہن حماقت ہے، میرا چچا نقصان ہے، میرا ماموں نفاق ہے، میرا بیٹا فخر ہے، میری بیٹی سستی ہے، میری جنم بھومی نیستی ہے، میری قوم جہالت ہے، تو یہ اس لیے آ گئی جہالت............!!!

تو ملوکیت علم کا آتشکدہ ہے، امامت علم کا گل کدہ ہے، ملوکیت ظن ہے، گمان ہے، وہم ہے، تقوین ہے، امامت علم ہے، فتح ہے، حق ہے، یقین ہے، ملوکیت طغیان ہے، ظلمان ہے، ہذیان ہے اور امامت تورات ہے، انجیل ہے، زبور ہے، قرآن ہے۔ (نعرے)

ملوکیت تخت ہے، تاج ہے، تاراج ہے، اور امامت مسند ہے، منبر ہے، علم کا دوامی راج ہے، ملوکیت تاریکی ہے، شر ہے، اندھیرا ہے اور امامت روشنی ہے، روشنائی ہے، کرم ہے، سویرا ہے۔ (اور ایک تاریخی جملہ کہہ رہا ہوں)

ملوکیت دربار میں بھی لرزہ براندام ہے، اور امامت مزار میں بھی مرجع خاص وعام ہے۔ (نعرۂ حیدری)

ملوکیت جہالت کی جاگیر ہے، اور امامت علم کی چادرِ تطہیر ہے، ملوکیت حیوانیت کی صبحِ خنداں ہے اور امامت انسانیت کی شامِ غریباں ہے............!!!

ہاں دوستو! ہم پہنچ گئے اپنے منزل پر............!! ذرا آہستہ چلیے یہاں لاشے پڑے ہوئے ہیں۔ وہ دیکھئے ایک طرف سینے پہ برچھی کھائے ہوئے کوئی پڑا ہے

اور یہ کون ہے جس کا چہرہ پہچانا نہیں جاتا۔ اتنے گھوڑے دوڑے ہیں ۔ معلوم ہوا کہ یہ قاسمؑ کا لاشہ ہے اور یہ کون ہے جو دریا کے کنارے ہے اور ہاتھ کٹے ہوئے ہیں۔ اور سینے پہ مشک رکھی ہوئی ہے۔ معلوم ہو کہ یہ عباسؑ ہے اور کسی کی قبر نہیں بنی۔ یہ کس کی قبر بن گئی، معلوم ہوا کہ یہ علی اصغرؑ ہے۔

دوستو! انسانیت کے نام پر اپیل ہے، علم کے نام پر مطالبہ ہے، ہم کبھی نہ روتے اگر مرنے کے بعد حسینؑ کو دفن کر دیا جاتا۔ شہداء کے لاشے دفن ہو جاتے تو پھر ضرورت نہ تھی، لیکن جب ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ شام ہو رہی ہے اور زینبؑ کبریٰ فضہ کے پاس کھڑی دیکھ رہی ہیں کہ گھوڑے دوڑ رہے ہیں۔ اور گھوڑے رک گئے، معلوم ہوا کہ حُر کا قبیلہ آیا اور اُس نے کہا کہ ہم اپنے لاشے پامال نہیں ہونے دیں گے۔ پھر گھوڑے چلے، پھر رک گئے۔ معلوم ہوا کہ حبیب ابنِ مظاہر کا قبیلہ آیا اور گھوڑے رک گئے۔ اب گھوڑے چلے تو رکتے نہیں۔ بی بی زینبؑ نے فضہ سے پوچھا اب گھوڑے رکتے کیوں نہیں؟ کہا بی بی زینبؑ جس کا قبیلہ ہوتا ہے جس کا کنبہ ہوتا ہے جس کے عزیز ہوتے ہیں۔ ان کا لاشہ کوئی پامال نہیں کرتا، اس وقت بی بی زینبؑ مدینے کی طرف متوجہ ہوئیں اور کہا نانا! آؤ اور اپنے بچے کو بچاؤ......۔ بی بی زینبؑ مظلوم ہے۔ (بس ختم کیا میں نے اپنا کلام)

عزادارو..........!! خیموں میں آگ لگ گئی، حمید ابنِ مسلم راوی ہے کہ میں نے دیکھا ایک لڑکی پانچ سال کی خیمے سے نکلی، تو کانوں سے خون بہہ رہا تھا۔ اور دامن میں آگ لگی ہوئی تھی۔ میں نے کہا بی بی، تو بچی ڈر کے مارے بھاگنے لگی۔ میں نے کہا بی بی ٹھہر جا، بی بی ڈر کے بھاگنے لگی۔ میں جلدی سے دوڑا تو بی بی منہ کے بل گر گئی، اور ننھے ننھے ہاتھ جوڑے۔ اے شخص مجھے ہاتھ نہ لگانا میں سیدہؑ کی پوتی ہوں۔

مقامِ مصطفیٰ ؐ

(علامہ نصیرالاجتہادی)

﴿ وَ النَّجۡمِ اِذَا ھَوٰی۔ مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمۡ وَ مَا غَوٰی وَ مَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡھَوٰی۔ اِنۡ ھُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی عَلَّمَہٗ شَدِیۡدُ الۡقُوٰی ذُوۡمِرَّۃٍ فَاسۡتَوٰی وَھُوَ بِالۡاُفُقِ الۡاَعۡلٰی ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوۡسَیۡنِ اَوۡ اَدۡنٰی اَوۡفَی اِلٰی عَبۡدِہٖ مَا اَوۡحٰی۔ ﴾

یہ کائنات، یہ عالمِ ہست و بود خواہ تمثلِ اسمائے حُسنہ کا نتیجہ ہو یا تحیرِ اسمائے توصیفیہ کا اثر، یا ربُّ النوع کی مصوری ہو یا دستِ صانع کی صورت گری، صادرِ اوّل کی تخلیق ہو، یا عقلِ نوعِ ہستی کی تشکیل، عالمِ مثال کا عکسِ ضلال ہو یا قانونِ ارتقاء کا فیضِ جمال، بہرحال یہ وادیٔ سہل وجبل، یہ آغوشِ جلوہ ہائے پیچیدہ، یہ کنارِ نقش ہائے ژولیدہ، نتیجہ ہے خصائصِ نوعی و ذاتی کا، ورنہ یہاں حقیقتِ مطلقہ کے سوا کچھ نہیں ....!

آیئے منطق وفلسفہ کے شہہ نشیں سے اتر کر پائینِ باغِ عوام میں گفتگو کریں ....

دیکھئے، جب ہم کہتے ہیں کہ یہ پتھر ہے، عقیق ہو کہ زمرد، یہ درخت ہے آم ہو یا امرود، یہ جانور ہے فرس ہو یا شیر، یہ آدمی ہے زید ہو کہ بکر، یہ فرشتہ ہے میکائیلؑ ہو کہ جبرئیلؑ، یہ جن ہے ابلیس ہو یا زعفر، تو اے دانشورانِ ملت آپ نے کبھی سوچا کہ وہ کون سی صفت

معیزہ تھی۔ وہ کون سی **لازمہ** ذاتیہ تھی، وہ کون سی ہیئتِ خاصہ تھی، جس نے پتھر کو پتھر بنایا، درخت کو درخت بنایا، جانور کو جانور بنایا، فرشتے کو فرشتہ بنایا، اگر کہیے کہ وجودِ مطلق تو وہ ہر ایک میں جاری تھا، اگر کہیے کہ فیضِ جاعل تو وہ ہر ایک پہ طاری تھا، اگر کہیے کہ قوتِ انفعالیہ تو وہ ہر ایک پہ مشتمل تھی، اگر کہیے کہ عکسِ مثال تو وہ ہر ایک پہ حاوی تھا، تو وہ کون سی حد تھی جس نے محدود کیا؟ اور وہ کون سی سدّ تھی جس نے مسدود کیا۔ (نعرۂ حیدری)

تو تمام اربابِ حکمت و منطق یہی کہیں گے کہ ہر شئے کی بعض خصوصیات ہوتی ہیں جو اس کو دوسری شئے سے ممتاز کر دیتی ہیں۔ وہ خصوصیات ہوتی ہیں جس کی بناء پر ایک شئے دوسرے سے ممتاز ہو جاتی ہے۔ تو اب اگر ہم وجود کے ساتھ بسیط کی قید لگائیں تو عالمِ بسائط اگر مرکب کی قید لگائیں تو عالمِ عناصر اگر ہم جامد کی قید لگائیں تو پتھر اور اگر ہم نباتی کی قید لگائیں تو درخت، اور اگر ہم نور کی قید لگائیں تو فرشتہ اور اگر ہم نار کی قید لگائیں تو جن اور اگر ہم ناطق کی قید لگائیں تو انسان، اور اگر ہم وحی کی قید لگائیں تو نبی۔ (نعرۂ صلواۃ)

تو معلوم ہوا کہ نبوت اک درجۂ اعلیٰ و ارفع ہے اور انسانیت کا مقامِ آخر ہے۔ یہ آج ہم جو نظریہ صدیوں سے بیان کرتے رہے ہیں آج مغربی مفکرین بھی وہی نظریہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ تھامس واکر اپنی کتاب دی بیکینگ میں لکھتا ہے کہ یہ روحانی رہنما اس قدر بلند ہوتے ہیں کہ ان کو انسانوں کیلئے ایک جداگانہ نوع قرار دینا چاہیے۔ یہ برگسان اور اسپنسر کے نقطۂ نگاہ سے انسانیت کے مقامِ آخر پر جلوہ فرما ہوتے ہیں۔ اور انسان اور حیوان میں جو شئے تمیز دیتی ہے یعنی شعور اور اخلاقی اقدار کا علم وہ ان میں انتہائی تکمیل تک پہنچا ہوتا ہے ان میں عام انسانوں سے مختلف خصوصیات ہوتی ہیں تو ان کی حیثیت اُن تتلیوں کی ایسی ہے جو پتنگوں کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ تو اب آپ نے دیکھا مغربی مفکرین بھی

اس نقطۂ نگاہ پر آ گئے کہ یہ انبیائے کرام اور ہوتے ہیں اور ہم اور ہوتے ہیں ان کا سامعہ، ان کا باصرہ، انکا لامسہ، انکا شامعہ، ہم سے مختلف ہوتا ہے۔

﴿وَ قَالَ نُوحٌ لَاتَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّاراً۔اِنَّكَ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِراً كُفَّاراً۔﴾ (نوح:۲۶۔۲۷)

نوحؑ نے جب نو سو سال محنت کرنے کے بعد، جدوجہد کرنے کے بعد یہ دیکھا کہ کفر کے پتھر میں کہیں سے نرمی نہیں آ رہی ہے اور یہ محسوس کیا کہ ہدایت جو ہے وہ ابھی نقطۂ آغاز پہ ہے، اختتام تک نہیں پہنچی۔ ایک مرتبہ دماغ نوحی مایوس ہو جاتا ہے کافروں سے، تو پھر دستِ دعا بلند ہوتا ہے کہ بارالہا! روئے زمیں پر کسی کافر کو زندہ نہ رکھنا کیونکہ جتنی ان کی مخلوق آئندہ ہوگی (نسل) وہ سب کافر ہوگی، فاسق ہوگی آپ دیکھتے ہیں کہ یہ نبی کا باصرہ ہے۔ اک ہمارا باصرہ ہے کہ ہم سامنے کے انسان کے عقیدہ کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہہ سکتے کہ یہ کس عقیدہ کا ہے اور نبی کا باصرہ اُس عروج پہ ہے کہ وہ آنے والی نسلوں کے اصلاب وارحام کے پردوں کو چاک کر کے آنے والی نسلوں کے کفر کی نشاندہی کرتا ہے۔ (نعرہ حیدری)

معلوم ہوا کہ ہمارا باصرہ اور ہے نبی کا باصرہ اور ہے۔

﴿وَ اَذِّنْ فِى النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ۔﴾ (الحج:۲۷)

اے ابراہیمؑ! آواز دو حج کی، لوگ پاپیادہ اور تیز روسواریوں پر (ہم نے ضامر کا ترجمہ دُبلی اونٹنیاں نہیں کیا ہے بلکہ تیز روسواری کیا ہے کیونکہ دُبلی اونٹنیوں سے مراد بھی تیز روی ہوا کرتی تھی) تو تیز روسواریوں پر تمہارے پاس آئیں گے۔ ابراہیمؑ کی آواز آج سے

چار ہزار سال پہلے بلند ہوئی اور وہ آواز جو حاجی جاتا ہے وہ لبیک، لبیک کہتے ہوئے جاتا ہے لبیک اُسی وقت کہا جاتا ہے جب کوئی پکارنے والا ہوتا ہے۔ (نعرۂ حیدری)

معلوم ہوا کہ ہر ہادی نے جناب ابراہیمؑ کی آواز سُنی تو ہماری آواز ایک دو میل نہیں جاتی اور ابراہیمؑ کی آواز صدیوں کو طے کرتی ہوئی قیامت تک ہادیوں کے گوش سے متصل ہو جاتی ہے تو پھر اور آگے بڑھیئے نبی کا شامہ ....

﴿وَ لَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّیْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَا اَنْ تُفَنِّدُوْنَ۔﴾ (یوسف:۹۴)

ابھی قافلہ مصر سے چلا نہیں تھا تو دو سو میل دور کنعان کا بوڑھا نبی چیخ اٹھا کہ میں یوسفؑ کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں۔ (نعرے)

تو ابھی قافلہ چلا نہیں اور یہاں یعقوبؑ کہہ رہے ہیں کہ میں یوسفؑ کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں۔ وہیں برادرانِ یوسف بھی ہیں۔ ان کو خوشبو نہیں آتی، نبی کو خوشبو آتی ہے، معلوم ہوا کہ نبی کا شامہ اور ہوتا ہے اور انسانوں کا شامہ اور ہوتا ہے۔

﴿حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰۤاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَ جُنُوْدُهٗ وَ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ۔ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا۔﴾ (النمل:۱۸)

لشکرِ سلیمانی وادیٔ نمل میں داخل ہوا تو ایک چیونٹی نے کہا کہ اے چیونٹیو! تم سب اپنے اپنے سوراخوں میں چلی جاؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ سلیمانؑ اور اس کا لشکر تمہیں پامال کرتا ہوا چلا جائے۔ ﴿فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا۔﴾

یہ سنا تو سلیمانؑ مسکرا دیئے۔ ہم چیونٹی کی آواز نہیں سن سکتے ہیں۔ لیکن سلیمانؑ

چیونٹی کی آواز سن سکتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ نبی کا سامعہ اور ہوتا ہے، ہمارا سامعہ اور ہوتا ہے۔

﴿فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَ هُوَ مُلِيْمٌ. فَلَوْلَا اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ.
لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ.﴾ (الصفت: ۱۴۴)

یونسؑ کو مچھلی نے نگل لیا، چالیس دن تک شکم ماہی میں یونسؑ رہے۔ ارشاد ہوا
کہ: اگر وہ تسبیح گزاروں میں نہ ہوتے تو ہم قیامت تک انہیں شکمِ ماہی میں رکھتے۔

اب یا تو آپ یہ کہیں کہ وہ شکمِ ماہی میں گل جاتے اس میں ان کی ہڈیاں سرمہ سرمہ ہو جاتیں تو رکھنے کا مفہوم کیا تھا؟

ظاہر ہے قیامت تک شکمِ ماہی میں حضرت یونسؑ کو اللہ زندہ رکھتا۔ اگر وہ تسبیح گزاروں میں نہ ہوتا۔ (نعرے)

معلوم ہوا کہ ہم اور ہیں انبیائے کرام اور ہیں۔ ان کی صورت رحیمانہ ہوتی ہے۔ ان کی سیرت کریمانہ ہوتی ہے۔ ان کی گفتار عالمانہ ہوتی ہے۔ ان کی رفتار عادلانہ ہوتی ہے۔ نبی کی نسب پر بہتان نہیں ہوتا، اس کی آنکھوں میں طغیان نہیں ہوتا۔ اس کے کردار میں عصیان، اس کے دماغ میں نسیان نہیں ہوتا۔ اور اس کا کوئی کام زیرِ تحریک شیطان نہیں ہوتا۔ (نعرۂ حیدری)

اور یہ تو ہم نے آپ کو عام انبیائے کرام کی بات بتائی ہے۔

؎ بروئے اعظم پاکش درودِ لا محدود

جب عام انبیائے کرام کی یہ شان ہے تو میرے رسولؐ کی کیا شان ہوگی؟

ہمارا عنوان ہے مقامِ مصطفیٰؐ ....

تو حضورؐ کی شان کیا ہوگی؟ جس طرح ہر پہاڑ کوہِ طور نہیں ہوسکتا، ہر غار غارِ

حرا نہیں ہو سکتی، ہر گھر خانہ کعبہ نہیں ہو سکتا، ہر دشت، دشتِ کربلا نہیں ہو سکتا، ہر میدان، میدانِ کربلا نہیں ہو سکتا، ہر چادر، چادرِ تطہیر نہیں، اور ہر جام جام جم نہیں ہوتا، اسی طرح ہر نبی خاتمؐ نہیں ہوتا۔ (نعرے)

اور انبیائے کرام عَبۡد ہیں، میرا رسول عَبۡدُہٗ ہے۔

؎ عبد دیگر عبدہٗ چیزے دیگر
آں سراپا انتظار و منتظر

عَبۡد وہ ہے جس کی خلقت پہلے ہو، علم بعد میں ہو۔

عَبۡدُہٗ وہ ہے کہ ﴿عَلَّمَ الْقُرْآنَ. خَلَقَ الْإِنْسَانَ.﴾

علم پہلے ہو خلقت بعد میں ہو۔ (نعرے)

عبد وہ ہے کہ جو زم زم کا مالک ہو۔

عبدہٗ وہ ہے جو کوثر کا مالک ہو۔

عبد وہ ہے جو دریا شق کرے۔

عبدہٗ وہ ہے جو چاند کو شق کرے۔

عبد وہ ہے جو رُوٹھا ہوا شباب پلٹاتا ہے۔

عبدہٗ وہ ہے جو ڈوبا ہوا آفتاب پلٹاتا ہے۔ (نعرۂ حیدری)

عبد وہ ہے جو ہدایت کرتا ہے۔

عبدہٗ وہ ہے جو ہدایت کرتا ہے، شفاعت کرتا ہے۔

عبد وہ ہے جو اُمت کو نماز پڑھاتا ہے۔

عبدہٗ وہ ہے جو رسولوں کی جمیعت کو نماز پڑھاتا ہے۔

عبد وہ ہے جو کوہِ طور پر جائے اور عبدہ، وہ ہے جو بساطِ نور تک جائے۔

﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى۔ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى۔
فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى﴾۔

وہ قریب ہوا، اور قریب ہوا، یہاں تک کے دو کمانوں کایا اس سے کم فاصلہ رہ گیا۔

علامہ فخر الدین رازیؒ اپنی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ

قابَ وقوسین کا لفظ عرب کی عادت کی بنیاد پر استعمال ہوا تھا۔ کیونکہ ایامِ جاہلیت میں اصول تھا کہ جو دو سردار آتے تھے، باہمی رفاقت کا معائدہ کرنے تو دو کمانیں لائی جاتی تھیں۔ ان کو اس طرح پیوست کرتے تھے کہ قاب پر آخر متمکن ہو جائیں۔ پھر تیر رکھا جاتا تھا۔ جس کو کھینچا جاتا تھا، دونوں مل کر کھینچتے تھے، اس کے معنی یک جان، دو قالب، جس سے تمہاری جنگ اس سے ہماری جنگ، جس سے تمہاری صلح اس سے ہماری صلح، تو اب جب یہاں پر رسولِ اللہؐ کے قاب وقوسین کا لفظ اللہ نے استعمال کیا ہے تو معلوم ہوا ہے کہ اللہ بھی کہنا چاہتا ہے کہ اے رسولؐ، صلح تمہاری ہوگی، تو امان ہماری ہوگی، تیر تمہارا ہوگا تو کمان ہماری ہوگی۔ (نعرۂ حیدری)

اے رسولؐ! کلمہ تمہارا ہوگا تو کلام ہمارا ہوگا۔ امت تمہاری ہوگی تو امام ہمارا ہوگا۔ تمہاری زبان میں میری گفتار ہے۔ تیرے عمل میں میرا کردار ہے۔ میری تحریر تیری تقریر کے ساتھ ہے۔ یعنی میرا قرآن مجید تیری تفسیر کے ساتھ ہے۔ جو قرآن مجید میں صورت ہے وہ میدان میں تیری سیرت ہے۔ جو تیری سیرت ہے وہ عینِ مشیّت ہے۔ جو تیری خواہش ہے وہ عینِ ایقان ہے۔ جو تیرا ارمان ہے وہ میرا فرمان ہے۔ جو تیرا کلمہ پڑھے وہ مسلمان ہے اور جو تیرے بعد نبوت کا دعویٰ کرے اس کا دعویٰ ہذیان ہے اور جو تجھ پر یقین کامل رکھے وہ کلِ ایمان ہے اور جو تیری نبوت میں شک کرے وہ

بے ایمان ہے۔ (نعرے)

میرا کرم .... تیرے جمال میں ہے۔

میرا غضب.......... تیرے جلال میں ہے۔

میرا ادب .... تیرے کمال میں ہے۔

میرا سوز .... تیری آہوں میں ہے۔

میری رحمت.......... تیری بانہوں میں ہے۔

میری منزل.......... تیری راہوں میں ہے۔

سجدہ میرا، آستانہ تیرا۔ ہاتھ تیرا، خزانہ میرا، جنت میری پروانہ تیرا، میرا گھر تیرا، تیرا گھرانہ میرا، تو مجھ سے الگ نہیں، میں تجھ سے جدا نہیں۔ تو سب کچھ ہے مگر خدا نہیں۔ (نعرۂ صلواۃ)

تو زبان ہے میں آواز ہوں، تو سراپا نیاز ہے میں بے نیاز ہوں، تو ظاہر ہے میں راز ہوں، تو نہ ہوتا تو خدائی کا راز آشکار نہ ہوتا، مصور ہوتا شہکار نہ ہوتا، حُسن ہوتا پرستار نہ ہوتا، یوسف ہوتا خریدار نہ ہوتا، معبود ہوتا عبادت گزار نہ ہوتا، گنہگار ہوتے شفاعت کا کاروبار نہ ہوتا۔ (نعرہ حیدری)

؎ تم آگئے تو شیطنت کا دامن تارتار ہوگیا
اور ملتِ عاصی کا بیڑا پار ہوگیا

تو یہ ہیں ہمارے رسولؐ .... یہ ہیں ہمارے رسولؐ

جن کا قرب اللہ تعالیٰ سے اتنا ہے کہ دو کمانیں یا اس سے کم، اور آگے بڑھیے تو۔

﴿وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى۔﴾ (الانفال)

اے رسولؐ! تم سنگریزے نہیں پھینک رہے تھے بلکہ ہم سنگریزے پھینک رہے تھے۔ تو میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ **قولِ رسولؐ برحق** ہے جو رسولؐ کہہ دیں گویا وہ خدا کا قول ہے۔ حضورؐ نے فرمایا: **اِنِّیۡ لَااَقُوۡلُ اِلَّا الۡحَقُّ.**

میں حق کے سواء کبھی کچھ نہیں کہتا۔

صحابہ کرامؓ نے کہا کہ یارسول اللہ آپ ہم سے کبھی ہنسی مذاق بھی کرتے ہیں؟ فرمایا ہنسی مذاق میں بھی حق کے سواء کچھ نہیں کہتا۔ (نعرۂ صلواۃ)

رسولؐ کی حیثیت یہ ہے کہ ہر فقہ میں تحریر ہے کہ اگر عورت بالغہ، رشیدہ ہو تو پھر اس کی رضامندی کے بغیر شادی نہیں ہوسکتی، لیکن حضورؐ کا مقام یہ ہے کہ:

﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤۡمِنٍ وَّلَا مُؤۡمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوۡلُهٗۤ اَمۡرًا اَنۡ يَّكُوۡنَ لَهُمُ الۡخِيَرَةُ مِنۡ اَمۡرِهِمۡ. وَمَنۡ يَّعۡصِ اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيۡنًا. ﴾ (الاحزاب:۳۶)

کہ جب رسولؐ حکم دے دیں، ابوداؤد نے لکھا ہے کہ جب زید کا پیغام رسولؐ نے جناب زینب بنتِ جحش اپنی پھوپھی زاد بہن کے ساتھ دیا تو انہوں نے کہا میں کبھی اس شادی پر راضی نہیں ہوسکتی۔ ان کے بھائی نے کہا کہ وہ اک غلام ہے ہم کبھی ہاشمی خون کو اک غلام کے خون کے ساتھ وابستہ نہیں کرسکتے۔ حضورؐ نے کہا نہیں یہ نکاح ہوگا۔ آیت اُتری کہ کسی مومن اور مومنہ کو اختیار نہیں جب یہ آیت اتری تو زینب نے بھی سر جھکا دیا اور عبداللہ بن جحش نے بھی سر جھکا دیا۔ سارے خاندان نے سر جھکا دیا۔ کہ رسولؐ وہ ہے اگر کوئی قانون شریعت کو ختم کرنا چاہے تو ختم کرسکتا ہے۔ (نعرۂ صلواۃ)

جو رسولؐ کہہ دے اس پر کوئی دوسرا فیصلہ نہیں کرسکتا۔ حضرت عمرؓ کا واقعہ مشہور

ہے کہ ایک یہودی اور ایک مسلمان رسول اللہؐ کی خدمت میں آئے کہ یا رسول اللہؐ! آپ ہمارا فیصلہ کر دیجئے، مسلمان منافق تھا، یہودی کھلا ہوا کافر تھا۔ منافق سمجھا کہ رسولؐ سیاسی لیڈر ہیں کہ شائد ہماری بات یہ سمجھ کر کہ یہ مسلمان ہے ہماری (فیور) میں فیصلہ کر دیں گے۔ مگر رسولؐ تو عدل و انصاف کی میزان ہیں۔ رسولؐ نے فیصلہ یہودی کے حق میں کیا۔ تو اس منافق مسلمان نے کہا کہ ہم یہاں فیصلہ نہیں کراتے، ہم چلتے ہیں حضرت عمرؓ کی خدمت میں تو مسلمان نے کہا کہ آپ میرا مقدمہ سنیئے۔ یہودی نے کھڑے ہو کر کہا کہ حضرت عمرؓ پہلے میری بات سنیئے کہ اس مقدمے کا فیصلہ پہلے رسول اللہؐ کر چکے ہیں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ حضرت عمرؓ گھر میں تشریف لے گئے۔ تلوار لائے اور منافق کی گردن اڑا دی کہ رسول اللہؐ کے فیصلے کے بعد اب اگر کسی کا فیصلہ ہوگا تو یہ ہوگا۔..........

تو کوئی فیصلہ رسول اللہؐ کے فیصلے کے بعد نہیں ہوسکتا۔

اب رسول اللہ جو کچھ بھی کہہ دیں۔ اگر کہہ دیں کہ **اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَ عَلِیٌّ بَابُھَا۔**

اگر کہہ دیں کہ **حُبُّ عَلِیٍّ یَاکُلُ لِذُنُوْبِ کَمَاءِ تَاکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ۔**

اگر کہہ دیں کہ **بَرَزَ الْاِیْمَانُ کُلُّہٗ اِلٰی کُفْرِ کُلِّہٖ۔**

اور اگر کہہ دیں کہ **مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَھٰذَا عَلِیٌّ مَوْلَاہُ۔**

تو ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس بات کو تسلیم کرے۔

کیونکہ رسول اللہؐ کہہ رہے ہیں اور چھپ کر نہیں۔ ایک لاکھ بیس ہزار کے مجمع میں کہہ رہے ہیں۔ اور پھر علیؑ کو بٹھا کے نہیں اٹھا کے کہہ رہے ہیں۔

اب دنیا اس معاملے میں شک میں مبتلا ہے کہ مولا کے معنی کیا ہیں؟ تو یوں تو مولا کے اکیس (۲۱) معنی ہیں۔ لیکن بائیسویں معنی مجھ سے پوچھیے کہ اس مولا کے کیا معنی ہیں؟

رسول اللہؐ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ رسول کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ میں جس کا مولا ہوں، علیؑ اس کا مولا ہے۔ یعنی تحریک نبوت ہم کریں گے۔ تائید نبوت علیؑ کریں گے۔

رسالت ہم کریں گے تصدیق رسالت علیؑ، جنگ با تنزیل قرآں ہم کریں گے جنگ بہ تاویل قرآں علیؑ، بستر ہمارا اور لیٹیں گے علیؑ، چادر ہماری اور اوڑھیں گے علیؑ۔ بچے ہمارے اور ان کے باپ علیؑ۔ گرے علم اٹھائے علیؑ، کھڑے صنم گرائے علیؑ، دعویٰ ہمارا .... شہادت علیؑ کی، رسالت ہماری.......... طریقت علیؑ کی۔ اطاعت ہماری .... مودت علیؑ کی۔ جمال ہم ہونگے .... جلال علی، دین ہم ہونگے .... کمال علیؑ۔ رحمت علیؑ۔ عرش کا محور ہم ہوں گے۔ زمین کا لنگر علیؑ، شہر علم ہم ہوں گے.... .... علم کا در علیؑ۔ (نعرہ حیدری)

قولِ رسولؐ ہمارے لیے حجت ہے۔ اگر وہ اہلِ بیتؑ کے لیے فرمائیں تب حجت ہے، اور صحابہ کرامؓ کے بارے میں کہیں تب حجت ہے۔

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ **لَاتَسُبُّوا اَصْحَابِیْ۔**

کہ دیکھو! میرے صحابہ کرامؓ کو بُرا نہ کہو..........

اگر تم میں سے کوئی اُحد کے برابر سونا خرچ کرے تو ان کے ایک عمل کے برابر نہیں ہوگا۔

تو اب اگر رسولؐ کہہ دیں گے تو ہم تسلیم کرنے پر مجبور ہیں تو اہلبیتؑ کے بارے میں کہیں تب سرِ تسلیم خم ہے۔ صحابہ کرامؓ کے بارے میں کہیں تب سرِ تسلیم خم ہے۔

اور صحابہ کرامؓ کے بارے میں قرآن مجید کہتا ہے:

﴿وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا۔﴾

صحابہ وہ ہیں کہ مومنوں پر مہربان ہیں اور دشمنوں پر شدید ہیں ہر وقت رکوع کی

حالت میں ہیں۔ سجود کی حالت میں ہیں۔ تو اسی لیے مجھے کہنے دیجئے کہ صحابہؓ اگر آسمان پہ ہیں تو تاجِ زرنگار ہیں، زمین پر ہیں تو گلشنِ بے خار ہیں، مومنوں میں ہیں تو نسیم بہار ہیں، کافروں میں ہیں تو شمشیر خونبار ہیں، شریعت میں ہیں تو فکر و دانش کے شہسوار ہیں، اور طریقت میں ہیں تو تزکیہ نفس کے آئینہ دار ہیں۔

اب اسی طرح ترمذی شریف، مشکوٰۃ شریف، حضورؐ حسنین ؓ کو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں: رَبِّ اِنِّیْ اُحِبُّھُمَا۔ میں ان دونوں کو دوست رکھتا ہوں، اَللّٰھُمَّ اَحِبَّھُمَا۔ بارِالٰہا! تو بھی دوست رکھ۔ وَ اَحِبَّ مَنْ یُّحِبُّھُمَا۔ اور جو اِن کو دوست رکھے اس کو تو بھی دوست رکھ۔ (نعرۂ صلواۃ)

کہ ہمیں حسینؓ.......... مدینے کے ناموس سے کوئی تعلق نہیں، ہمیں قول رسولؐ سے تعلق ہے۔ مدینے میں بہت سے پیدا ہوئے ہوں گے ہمیں اُن سے تعلق نہیں لیکن حضورؐ کہتے ہیں کہ میں ان سے محبت کرتا ہوں، بارالہا! تو بھی ان سے محبت کر، جو ان سے محبت کرے تو بھی اس سے محبت کر، مقام بلند ہے، مقامِ بلند ہے۔

اَلْحُسَیْنُ مِنِّیْ وَاَنَا مِنَ الْحُسَیْنِ حسینؓ مجھ سے ہے اور میں حسینؓ سے ہوں۔

اب ہم مصائب کی طرف آتے ہیں۔ حسینؓ مجھ سے ہے اور میں حسینؓ سے ہوں۔

اُسامہ بن زیدؓ کی روایت ہے کہ میں گیا تو حضورؐ قبا میں کوئی چیز لپیٹے ہوئے تھے۔ میں نے کہا حضورؐ اس میں کیا ہے؟ میں نے کھولا اور دیکھا کہ حسنؓ اور حسینؓ ہیں۔

حسینؓ سے ہمیں محبت اس لیے ہے کہ حسینؓ نے قولِ رسولؐ کو نبھایا۔ جب رسولؐ نے کہا تھا کہ میں حسینؓ سے ہوں، حسینؓ مجھ سے ہے تو اگر معاذ اللہ حسینؓ غلط ہو جاتے تو رسالت کے جملوں کی قیمت کیا بنتی.......... مگر یہ رسولؐ نہیں کہہ رہا ہے، اللہ کہہ رہا ہے تو کہہ رسولؐ میں جانتا ہوں کہ حسینؓ کیا ہے؟

حسینؑ نے قولِ رسولؐ نبھانے کیلئے، نبوت کو بچانے کے لیے اتنی بڑی قربانی پیش کردی۔ چودہ صدیاں گزریں اور حسینؑ کا ماتم زندہ ہے، کیا یہ معجزہ کم ہے؟

ہاں.......... اے حسینؑ آپ پر ہزاروں سلام، کہ کسی موقع پر آپؑ کے قدم میں تزلزل نہیں ہوا۔ امام زمانہ زیارتِ ناحیہ میں فرماتے ہیں کہ اے حسینؑ ملائکہ آپ کے صبر کو دیکھ کر حیرت زدہ ہوگئے۔ میرا خیال ہے کہ یہ وہ مقام ہوگا جہاں پر ملائکہ حیرت میں پڑ گئے۔ کہ جب علی اکبرؑ گرے ہوں گے اور حسینؑ برچھی کو سینے سے نکال رہے ہوں گے اور اس کے بعد اکبرؑ کو اُٹھا کر خیمے کے قریب رکھا اور پھر جھولے سے علی اصغرؑ کو اٹھا کر مجمعے کی طرف چلے گئے ملائکہ حیرت میں پڑ گئے۔

دوستو.......... جب راہ میں مسلم ابنِ عقیلؑ کی شہادت کی خبر ملی، تو کہا عباسؑ ہمارا بھائی مر گیا۔ خیمے لگا دو، قناعتیں بچھا دو، خیمے لگ گئے، قناعتیں لگ گئی، اور اس کے بعد امامِ عالی مقام حضرت امام حسینؑ صدرِ مجلس بنے، سب خواتین و اعزاء بیٹھے ہوئے، امام حسینؑ نے کہا کہ.......... زینبؑ! مسلم کی بیٹی، عاطقہ کہاں ہے؟ 10 محرم الحرام تک عاطقہ کا نام ہے، گیارھویں محرم الحرام میں عاطقہ کا نام نہیں ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ عاطقہ کیسے مریں، جب شامِ غریباں ہوئی، اور گھوڑے دوڑائے گئے، اور خیموں میں آگ لگائی گئی، چادریں چھینی گئیں تو اس وقت گھوڑوں کے سموں کے نیچے آ گئیں۔ بیٹھ گئے حسینؑ اور کہا عاطقہ قریب آؤ، کہا اور قریب آؤ، اور قریب آئیں، کہا بیٹی نزدیک آؤ، کہا چچا آج آپ کی محبت سے ڈر لگ رہا ہے۔ بتائیں میرے بابا مسلمؑ زندہ تو ہیں۔ تو آپ نے فرمایا، بیٹی آج سے میں تیرا باپ ہوں۔

العلم

(علامہ نصیر الاجتہادی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

﴿ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْ بَعْدِ مَاجَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآئَنَا وَ اَبْنَآئَكُمْ وَ نِسَآءَ نَا وَ نِسَائَكُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ۔﴾ (آل عمران:۶۱)

ارشادِ ربّ العزت ہورہا ہے کہ اے ہمارے رسولؐ جب العلم کے آنے کے بعد کوئی تم سے حجت اور تکرار کرے تو کہہ دو کہ اب کوئی حجت، کوئی دلیل، کوئی برہان، کوئی گفتگو، کوئی بحث، کوئی مباحثہ نہیں ہوگا۔ اب صرف یہ دیکھا جائے گا کہ اپنے عقیدے پر یقین اور اعتماد کس کو ہے؟

لہذا تم اپنے بیٹوں کو لاؤ، ہم اپنے بیٹوں کو لائیں، تم اپنی عورتوں کو لاؤ، ہم اپنی عورتوں کو لائیں، تم اپنے نفوس کو لاؤ، ہم اپنے نفسوں کو لائیں۔ پھر مباہلہ کریں، پتہ چل جائے گا کہ حق وصداقت کہاں ہے؟ (نعرۂ صلواۃ)

اس وقت تقریر جو ہے اس کا ارتکاز، انحصار صرف اس پوری آیت مبارکہ میں لفظ ''العلم'' ہے یعنی اس آیت میں قرآن مجید نے بتایا ہے کہ قرآن مجید کیا ہے؟ وہ العلم ہے! یعنی تمام علوم کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔ ''العلم''

تو موضوع اور نقطۂ مرکزی کلام کا ''العلم'' ہے، یعنی قرآن ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں، ہر عہد میں، ہر زمانے میں، ہر ملک میں، اپنی ہدایت بھیجی، اپنی رہنمائی بھیجی، انبیاء کرامؑ کو اور رسل کو بھیجا، اس کے ساتھ ساتھ صحائف بھی اترے، کتابیں بھی آئیں، ان کے نام ہر دور میں مختلف رہے۔ ان کی اشکال متعدد ہیں۔ کبھی وہ توراتِ موسیٰؑ بنا، کبھی وہ انجیلِ عیسیٰؑ ہوا، کبھی وہ صحفِ ابراہیمؑ ہوا، کبھی وہ افکارِ ایوبؑ ہوا۔ کبھی وہ مواعظِ یعقوبؑ ہوا، کبھی وہ قرآنِ محمد مصطفیٰؐ ہوا۔ (نعرۂ صلواۃ)

ہر کتاب اپنے دور میں کامل تھی۔ اپنے عہد کے تقاضوں کو پورا کرتی تھی۔ لیکن دوسری کتابوں میں اور قرآن مجید میں فرق یہ ہے کہ اور کتابیں اپنے عہد کے لیے تھیں اور قرآن مجید اپنے عہد سے لیکر قیامت تک کے لیے رہنما ہے اور کتابیں تکمیل طلب تھیں اور قرآن کامل و مکمل ہے اور کتابیں جو تھیں وہ خود معجزہ نہ تھیں اور قرآن مجید بجائے خود معجزہ ہے اور جس کے لیے تحدی ہے یعنی **Challenge** ہے کہ:

﴿وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ۔ وَ ادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔﴾ (البقرہ:۲۳)

کہ اگر تمہیں شک ہے جو ہم نے اپنے بندۂ خاص پر نازل کیا ہے، (اس قرآن پاک میں) تو اس کی ایک سورہ کا جواب لے آؤ۔

اور جب دیکھا کہ فصاحت و بلاغتِ عرب جو ہے وہ سر جھکائے ہوئے شکست خوردہ کھڑی ہوئی ہے تو پھر قرآن مجید نے اپنی فتح مندی، ارجمندی، سربلندی کا اعلان کیا کہ ﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا﴾ (بنی اسرائیل:۸۸)

تم کیا ہوا اے اہلِ عرب، اگر تمام جن وانس بھی جمع ہو جائیں اور اس قرآن کا جواب لے آئیں تو اس کتابِ لاجواب کا کوئی جواب نہیں۔

معلوم ہوا کہ قرآن لاجواب کتاب ہے اور جس کی شان جو ہے وہ ساری کتبِ آسمانی سے نرالی ہے۔ قرآن کی عظمت کے بارے میں اس کے جلال اور اس کی ہیبت کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْآنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعاً مُّتَصَدِّعاً مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ۔﴾ (الحشر:۲۱)

اگر ہم اس قرآن مجید کو پہاڑوں پر نازل کرتے تو وہ بھی ہیبت الٰہی سے پھٹ جاتے کیونکہ قرآن مجید جو ہے وہ نور ہے۔

﴿اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ نُوْراً مُّبِيْناً۔﴾

ہم نے تمہاری طرف نورِ مبین اتارا ہے۔ نورِ مبین جو ہوتا ہے اس کی تاثیر یہ ہوتی ہے۔

﴿فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ كَاَنَّهٗ دَكّاً فَخَرَّ مُوْسٰى صَاعِقاً۔﴾

جب نورِ ربّ کی چھوٹ پڑی تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گئے اور موسیٰؑ کو غش آ گیا۔ معلوم ہوا کہ ہلکے سے نور کی چھوٹ ایسی ہوتی ہے کہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائے اور کلیم کو غش آتے ہیں تو پھر قرآن جو مجسم نور ہے۔ رسولؐ کی آنکھوں پر نہیں بلکہ دل پر اترا۔

﴿فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ وَ اِنْ كَانَ نَزَّلَهٗ مِنْ لَّدُنْ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۔﴾

اور یہ قرآن مجید جو ہے براہِ راست خدائے حکیم وعلیم کی طرف سے تمہارے قلب پر اتر رہا ہے۔ لیکن قرآن مجید نورِ مجسم تھا۔ میرے رسولؐ کے قلب پہ اترا نہ اس کے ہوش میں فرق آیا۔ اور نہ حواس میں فرق آیا۔ (داد وتحسین کے نعرے)

تو جس رسولؐ کے قلب کی عظمت یہ ہو کہ اس پر قرآن کی ہیبت اثر انداز نہ ہو، اس پر بخار یا جادو کی کیفیت کیسے اثر انداز ہو سکتی ہے۔ (نعرۂ حیدری)

قرآنِ حکیم ایک کتابِ عظیم ہے اور علم کا سرچشمہ بھی ہے، مسلمانوں کو چاہیے کہ قرآنِ حکیم سے ہر وقت استفادہ کرتے رہیں۔ ہر وقت علم سے استفادہ کرتے رہیں، یہ ایک نہر جاری ہے اور رائی کوثرِ باری، قرآنِ حکیم سے استفادہ ضروری ہے، قرآن ''العلم'' ہے۔

قاضی ابوبکر ابنِ عربی اپنی کتاب قانون وتاویل میں لکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں ستر ہزار علوم ہیں۔ اور صرف لفظ الحمد میں تین ہزار چار سو پینتیس اشتمالات ہیں۔ اس لیے کہتا ہوں کہ قرآن فہمی آسان نہیں ہے اور قرآن مجید جس عنوان پر مشتمل ہے اس کو آپ کے تیسرے امام حسینؑ نے یوں ارشاد فرمایا ہے کہ قرآن چار چیزوں پر مبنی ہے۔ عبارات پر، اشارات پر، لطائف پر، حقائق پر، فرماتے ہیں کہ عبارت عوام کیلئے ہے، اشارے خواص کیلئے ہیں، لطائف اولیاء کیلئے ہیں اور حقائق انبیائے کرامؑ کیلئے ہیں۔ (نعرے)

قرآنِ حکیم جو ہے وہ علوم کا سرچشمہ ہے۔ جتنے علوم نکلے ہیں وہ سب قرآن ہی کا طفیل ہیں۔ قرآن ہی کا فیض ہیں۔ سارے علوم کا احاطہ اس مختصر سے وقت میں ممکن نہیں۔ مشکل اور بہت مشکل ہے۔ لہٰذا اشارے کرتا چلوں کہ قرآن علوم کا سرچشمہ ہے اور جتنے علوم ہیں وہ سب قرآن سے ہی نکلے ہیں۔

آیۃ ﴿ لَوْکَانَ فِیْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ﴾ سے علم الکلام نکلا۔

آیۃ ﴿ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ﴾ سے علم اصول الفقہ نکلا۔

آیۃ ﴿ وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوةَ ﴾ سے علمِ فقہ نکلا۔

آیة ﴿ وَ ذَكِّرْهُمْ بِاَيَّامِ اللّٰهِ﴾ سے علمِ تاریخ نکلا۔

آیة ﴿ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾ سے علمِ حکایات نکلا۔

آیة ﴿ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَ الْحَجِّ ﴾ سے علمِ اوقاف نکلا۔

آیة ﴿ اِنَّ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَا بِقَدَرٍ﴾ سے علمِ مقادیر نکلا۔

آیة ﴿ شَرَابٌ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ﴾ سے علمِ ادویہ نکلا۔

آیة ﴿ اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ﴾ سے علمِ طلب نکلا۔

آیة ﴿ صَرْحٌ مُمَرَّدٌ ﴾ سے علمِ عمارت نکلا۔

آیة ﴿ اَفَرَاَيْتُمْ مَا تَحْرُثُوْنَ﴾ سے علمِ زراعت نکلا۔

آیة ﴿ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَ الْمِيْزَانَ﴾ سے علمِ وزن وکیل نکلا۔

آیة ﴿ وَ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ بِالْقَلَمِ ﴾ سے علمِ کتابت نکلا۔

آیة ﴿ وَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ﴾ سے علمِ خطابت نکلا۔

اگر ملوکیت ذہن وفکر نطق ولب کی بخیہ گری نہ کرتی؟

اس قرآن میں ایجادات حاضرہ کیلئے بھی اشارے موجود ہیں، ہر آیت جو ہے وہ اشارہ کررہی ہے۔

آیة ﴿وَ لِسُلَيْمَانَ رِيْحاً غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّ رَوَاحُهَا شَهْرٌ﴾

سے ہوائی جہازوں کی طرف اشارہ ہے۔

آیة ﴿وَ الْفُلْكُ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ﴾ (البقرہ:۱۶۴)

سے بحری جہازوں کی طرف اشارہ ہے۔

آیۃ ﴿فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَ هُوَ مُلِيْمٌ-﴾ (۱۴۲الصافات)

سے آبدوزوں کی طرف اشارہ ہے۔

آیۃ ﴿ وَ اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ-﴾ (۲۷الحج)

سے ریڈیو کی طرف اشارہ ہے۔

آیۃ ﴿وَ اِنْ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ﴾

(۴۴الاسراء) سے ٹیپ ریکارڈر کی طرف اشارہ ہے۔

آیۃ ﴿وَ سَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ-﴾

سے تسخیر آفتاب وشمس وقمر کی طرف اشارہ ہے۔

آیۃ ﴿ طَبَقاً عَنْ طَبَقٍ-﴾ سے چاند کی طرف سفر کا اشارہ ہے۔

آیۃ ﴿ وَ رُجُوْماً لِلشَّیٰطِیْنِ ﴾ سے میزائل کی طرف اشارہ ہے۔

سے میزائل کی طرف اشارہ ہے۔

آیۃ ﴿ وَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَائَكَ وَ بَصَرَكَ الْیَوْمَ الْحَدِ یدِ﴾

سے ایکس ریز کی طرف اشارہ ہے۔

آیۃ ﴿ وَ تَرْمِیْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّیْلٍ ﴾

سے توپ سازی کی طرف اشارہ ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ علمائے اسلام کی یہ پرانی عادت ہے کہ جب کوئی شئے مغرب ایجاد کرتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ ہمارے ہاں بھی ہے۔ اگر قرآن میں موجود تھا تو پھر مسلمانوں نے اس سے فائدہ کیوں نہ اٹھایا؟ تو میں ایک ہی بات کہتا ہوں کہ اس میں

مسلمانوں کا قصور نہیں ہے، اماموں کا قصور نہیں ہے، ذہانت کا قصور نہیں ہے، اقدار کا قصور نہیں ہے، بلکہ بات یہ تھی کہ ملوکیت نے ذہنوں پر اس طرح سے تسلط جمایا تھا کہ اقدار کو پر پرواز نہیں ملتے تھے۔ دماغ کو روشنی نہیں ملتی تھی، بصیرت کو منزل نہیں ملتی تھی۔ فکر کو آشیانہ نہیں ملتا تھا اور اس طلسم کدہ حیرت میں ذہن انسانی کو کارخانہ نہیں ملتا تھا۔ اس لیے سائنس اور علومِ حاضرہ اس زمانے میں مسلمانوں کے ذریعے سے صادر نہیں ہو سکے۔ اگر ان کو آزادی ملتی تو آپ دیکھتے کہ وہ قرآنِ حکیم کو اپنا رہنما بنا کر سائنس کی منزل میں سب سے آگے ہو جاتے۔ لہذا اگر فرض کیجئے کہ آپ یہ سوچتے ہیں کہ ان آیات سے جو میں نے استفادہ کیا ہے اس میں کچھ تامل ہے تو قرآن حکیم موجود ہے آپ کے سامنے کیا اس میں انبیائے کرامؑ کے معجزے نہیں ہیں؟ سارے لوگ تسلیم کریں گے کہ انبیائے کرامؑ کے معجزے موجود ہیں۔ تو معجزات کا مطلب کیا؟

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰ سے مجھے

کہ عالمِ بشریت کی زد پہ ہے گردوں (علامہ اقبالؒ)

معلوم ہوا کہ علامہ اقبالؒ معجزات کا فلسفہ یہ بتاتے ہیں کہ معجزات انانیت نبوت کی تسکین کے لیے نہیں ہوتے بلکہ نوع بشر کی تعلیم کیلئے ہوتے ہیں۔ (صلواۃ)

قرآن میں جو معجزات ذکر ہوئے ہیں اس کا مطلب یہ ہے، اشارہ یہ ہے کہ دیکھو ان معجزوں سے درس لو، سبق لو اور اس اشارے کو سمجھو! ٹھیک ہے انبیاء یہی کام مسبب الاسباب کے ذریعے سے کرتے ہیں۔ تم یہ کام اسباب کے ذریعے سے کرتے ہو۔ اگر روشنی ہم دکھاتے ہیں، اشارہ ہم کرتے ہیں۔ تو سمجھنا تمہارا کام ہے۔ لہذا یہ نہ سوچئے کہ قرآن میں اشارے نہیں ہیں۔ وضاحتیں نہیں ہیں، موجود ہیں۔

اور آج بھی ہم سائنس کو چیلنج کر سکتے ہیں کہ جہاں پر قرآنِ حکیم نے معجزاتِ

انبیاء کرامؑ بتائے ہیں۔ سائنس اس وقت بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکی، جہاں ہزاروں سال پہلے انبیاء کرامؑ پہنچے ہیں۔ (داد و تحسین)

سائنس دانو! یہ ٹھیک ہے کہ تم ہوائی جہاز بنا سکتے ہو، لیکن حضرت سلیمانؑ کی طرح ہوا کو بساط نہیں بنا سکتے۔ یہ بھی ٹھیک ہے کہ تم بحری جہاز بنا سکتے ہو لیکن نوح کی طرح نہ ڈوبنے والا سفینہ نجات نہیں بنا سکتے۔ اور یہ بھی ٹھیک ہے کہ تم فائر پروف اشیاء بنا سکتے ہو لیکن خلیلؑ کی طرح نار کو گلنار نہیں بنا سکتے۔ اور یہ بھی ٹھیک ہے کہ تمہارے سیارے خلاء کا سینہ چیرتے ہوئے گردوں پیمائی کرتے ہوئے افلاک کو دباتے ہوئے، بلندیوں کی طرف جا سکتے ہیں، مگر قاب و قوسین کی جھلک بھی نہیں دیکھ سکتے اور یہ بھی ٹھیک ہے کہ تمہارے خلائی جہاز چاند پر جا سکتے ہیں، مگر چاند کو شق نہیں کر سکتے۔ سورج کی کرنوں کو اسیر کر سکتے ہیں مگر ڈوبتے ہوئے سورج کو مغرب سے نکال نہیں سکتے۔ (نعرے)

؎ ہر کہ در آفاق گردد بوتراب
باز گردند زمغرب آفتاب

معلوم ہوا کہ قرآنِ حکیم کس منزل پہ ہے۔ کس مقام پر ہے۔ تھوڑی دیر کیلئے مجھے اجازت ملے کہ میں اپنی تقریر کروں۔ پاکستان کے عظیم طلباء کی طرف چلوں..........!

میں یہ کہتا ہوں کہ اے میرے دل کے ٹکڑو! اور اے مستقبلِ پاکستان کے شہہ پارو! دیکھو تمہیں اپنی ساری توجہ علم کی طرف، فکر کی طرف، حقائق کی طرف کرنی چاہیے۔ کیونکہ تمہارے پاس العلم ہے، صرف العلم نہیں۔ بلکہ علم کا شہر بھی ہے علم کا در بھی ہے۔ لہذا تمہاری توجہ علم کی طرف ہونا چاہیے۔ اپنی توجہات کو دائیں بائیں، اِدھر اُدھر نہ

کرو۔ بلکہ تمہاری ساری توجہ حصولِ علم کی طرف ہو۔لیاقت اُبھرے، جوہر نکھرے، دماغ کی توانائیاں آگے بڑھیں، سمجھ لو کہ یہ دنیا اک بہت بڑا زہریلا سمندر ہے۔اس میں نہنگ ہیں، اس میں اژدھے ہیں، جب تک تم پیراک نہ بنو گے، تیراک نہ بنو گے، سمندر کی موجوں سے کیسے کھیلو گے؟ ان درندوں سے کیسے مقابلہ کرو گے؟ لہذا اپنے علم پر توجہ کرو۔ پھر یہ پوری کائنات تمہارے لیے ہے۔تم چاہے سفیر بنو، چاہے وزیر بنو، چاہے ادیب بنو، چاہے خطیب بنو، چاہے انجینئر بنو، چاہے ڈاکٹر بنو، لیکن اس وقت پوری توجہ تم علم کیلئے صرف علم کیلئے اور صرف علم کے لیے وقف کردو..................!

دوستو! میں یہ کہہ رہا تھا کہ قرآن حکیم جو ہے وہ العلم ہے اور جب علم ہے تو اس کا سمجھنا آسان نہیں ہے۔ جب تک کہ معلمِ قرآن اس کو سمجھائیں نہیں......

قرآن مجید کو اس طرح سمجھا نہیں جا سکتا کہ انسائیکلوپیڈیا کا آئینہ ہو، آنکھوں میں مغربی عطار کا سرمہ ہو، اور دہریت کے چراغِ رُخِ نازیبا کی روشنی میں اس کو دیکھا جائے اور اس کی آیتوں کو سمجھا جائے، قرآن مجید اس طرح سمجھ میں نہیں آئے گا۔قرآن حکیم کو تو وہی بتائے گا جو علم کا گھر ہو یا علم کا در ہو۔ (نعرے)

قرآن کل علوم کا سرچشمہ ہے اس کو صرف معلمِ قرآن ہی بتا سکتا ہے۔رسولؐ کے بغیر، رسولؐ کی حدیث کے بغیر، قرآن حاصل کرنے کی کوشش نہ کرو، رسولؐ سے پوچھو، رسولؐ بتائیں گے کہ قرآن کا کیا مطلب ہے؟ آیت کا کیا مطلب ہے؟ عام عقولِ انسانی قرآن تک نہیں پہنچ سکتے کیونکہ قرآن معجزہ ہے اور معجزہ صاحبِ اعجاز کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ لہذا قرآن کو رسولؐ سے پوچھو کیونکہ حقیقتِ قرآنیہ اور حقیقتِ محمدیہؐ دو مختلف چیزیں نہیں ہیں۔ایک ہی چیز ہے۔یعنی آیاتِ قرآنی حضورؐ کی سیرت کے تشریحات ہیں اور رسولؐ

کے اعمال آیاتِ قرآنی کی توجہات ہیں۔ جو قرآن میں قال ہے۔ وہ میرے رسولؐ میں حال ہے۔ ایک علمی قرآن ہے جو اوراق کے اندر محفوظ ہے ایک عملی قرآن ہے جو ذاتِ نبویؐ میں موجود ہے۔ جو قرآن میں سورت ہے وہ ہمارے رسولؐ کی سیرت ہے۔

لہذا قرآن پوچھو تو حضورؐ سے پوچھو کیونکہ قرآنِ حکیم میں حرفِ مکان ہے، حرفِ زمان ہے، لفظ خاص ہے، لفظ عام ہے، لفظ واحد معنی جمع، لفظ جمع معنی واحد، بحث ماضی معنی مستقبل، بحث مستقبل معنی ماضی، تاویل قبل از تنزیل، تاویل بعد از تنزیل، الفاظ مُولفہ، الفاظ منتقطہ، خطاب کسی قوم سے، مراد کوئی قوم، خطابِ پیغمبرؐ سے مراد اُمت، خطاب اُمت سے مراد پیغمبرؐ قرآن میں ردِ منکرین، ردِ جاہلین، ردِ مشرکین، ردِ زندقہ ہے، ردّ مجوسیہ ہے، ردِ نصرانیہ ہے۔ اس میں اقدار الاوّلین ہے۔ احوالِ ضلل الامم ہیں۔ فضائل مرسلین ہیں، تذکرہ رسولِ کریمؐ ہے، ذکرِ غزوات رسول ہے، بیانِ شہداء وصدیقین وصالحین ہے۔ ذکرِ آئمہ ھدیٰ ہے، شرائع الاسلام ہیں، آیاتِ صیحین ہیں، آیاتِ نومی ہیں، آیاتِ فقہی ہیں، آیاتِ فراقی ہیں، آیاتِ ارضی ہیں، آیاتِ سماوی ہیں، آیاتِ سہلی ہیں، آیاتِ سفری ہیں، آیاتِ مکی ہیں، آیاتِ مدنی ہیں، آیاتِ تطہیری ہیں، آیاتِ غدیری ہیں۔ (نعرۂ حیدری)

آیاتِ مماثل ہیں، خواصل ہیں، اصل ہے، اصول ہے، اختصاص ہے، ایجاد ہے، اعجاز ہے، خبر ہے، عندیہ ہے، ظاہر ہے، باطن ہے، فضل ہے، تقدیم ہے، تاخیر ہے، رخصت ہے، عزیمت ہے، ترکیب ہے، ترغیب ہے، حصص ہیں، قصص ہیں، ناسخ ہے، منسوخ ہے، متشابہات ہیں، محکمات ہیں، بنیات ہیں، مکروہات ہیں، واجبات ہیں۔

﴿ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ ﴾

(الانعام:۵۹)

اس قرآن کو کوئی نہیں بتا سکتا کیونکہ قرآن مجید جو ہے وہ الحمد سے لیکر والناس تک، صدق ہے، عصمت ہے، طہارت ہے، یعنی معصوم ہے اور کتابوں میں تحریف ہوئی، تورات میں، انجیل میں تحریف ہے۔ لیکن قرآن میں کوئی تحریف نہیں اور معلوم ہونا چاہیئے کہ قرآن عہد نبوت سے لیکر آج کے دن تک اور قیامت تک غیر محرف ہے اس میں کوئی تحریف نہیں، کوئی ترمیم نہیں، کوئی کمی نہیں، کوئی زیادتی نہیں۔

﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴾

(الحجر:۹)

ہم نے قرآن اتارا ہے اور ہم اس کی حفاظت کریں گے۔ لہذا ہر مسلمان کا عقیدہ یہ ہونا چاہیے کہ قرآن جیسا عہدِ نبوت میں تھا، ویسے ہی آج ہے اور جیسے آج ہے ویسے قیامت تک رہے گا۔ کیونکہ وعدۂ ربّ کریم ہے جو جھوٹا نہیں ہوسکتا، قرآن میں نہ کمی ہے نہ زیادتی ہے، نہ تحریف ہے اور نہ ترمیم ہے، پہلے جتنے بھی پارے تھے، اتنے ہی آج پارے ہیں۔ کوئی فرق نہیں، تیں (۳۰) پارے اور ایک سو چودہ سورتیں، اس میں پہلے بھی تھے آج بھی ہیں۔............

یہودی متشرقین چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کریں اور قرآن کے بارے میں عقائد متزلزل کریں۔ لیکن میں بتاتا ہوں کہ اس یہودی سازش میں نہ آنا، قرآن جو ہے وہ وہی تیں پارے ہیں۔ کوئی فرقہ ایسا نہیں اسلام کا جس کا قرآن الگ ہو، جدا ہو، فقہ الگ ہوسکتی ہے، تاویلِ سنت الگ ہوسکتی ہے، تاویلِ حدیث الگ ہوسکتی ہے، ترجمہ الگ ہوسکتا ہے، قرآن کسی کا الگ نہیں، سب کا قرآن ایک ہے، تو یہودی سازش پہ نہ جاؤ۔ کہتے ہیں کہ کسی کے پاس چالیس پارے ہیں، کسی کے پاس پینتیس،

ارے پارے چھپے ہوئے ہیں، چُھپے ہوئے نہیں ہیں۔ (نعرے)

قرآن مجید جو ہے وہ معصوم ہے، ہمارا عقیدہ ہے کہ انبیاء کرامؑ سے غلطی نہیں ہوتی، تو پھر ہمارے رسولؐ جو سردارِ الانبیاءؑ ہیں، خاتم النبین ہیں، ان سے غلطی کیسے ہو سکتی ہے؟۔ غلطی ہوتی ہے تو اعضاء سے جوارح سے،

دوستو! جن کی زلفوں میں واللیل کی رعنائی ہو، جن کے بالوں میں قیامت کی زیبائی ہو، جن کی پیشانی ہر پیش آنے والی بلا سے محفوظ ہو، اور جس کے اندر لوحِ محفوظ ہو، آنکھیں وہ جو بصارت کا قبلہ، بصیرت کا کعبہ، اگر مکہ ہو تو مسجد اقصیٰ کا نقشہ بتا دیں۔ اور مدینہ ہو تو روم و فارس کے محلات نظر آئیں، کان وہ جو عالمِ لاہوت میں چلتے قلم کی آواز سن لیں، زبان وہ کہ صداقت کی مہر، دندانِ مبارک وہ کہ اگر اندھیرے میں مسکرائیں تو پھول کھل جائیں اور خدیجہ دیکھے تو یک سوئی مل جائے۔ لعاب دہن وہ کہ اگر کھاری کنویں میں ڈال دیں تو شیریں ہو جائے، علیؑ کی آنکھ میں لگا دیں تو سُرخی کافور ہو جائے، حسینؑ کو پلا دیں تو علم کا طور ہو جائے۔ (نعرے)

ہاتھ وہ کہ اگر قحط سالی میں اٹھ جائیں تو گھنگھور گھٹائیں چھا جائیں اور انگلیاں وہ کہ اشارہ کر دیں تو چاند دو ٹکڑے ہو جائے، اور پیر وہ کبھی فرش پہ ہیں کبھی عرش پہ ہیں۔ کبھی یہاں کبھی وہاں۔ کبھی کونین میں کبھی قوسین میں۔ (نعرۂ حیدری)

قولِ رسولؐ، قولِ خدا ہے، صحیح مسلم کی حدیث ہے، جناب زید بن ارقم راوی ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا............لوگو! آخر میں خدا نہیں انسان ہوں، ہو سکتا ہے کہ فرشتۂ اجل آئے اور میں اپنے خدا کی بارگاہ میں پہنچوں، لہذا میں تمہیں کچھ بتانا چاہتا ہوں۔

میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، دو گراں قدر چیزیں پہلی ان میں

سے کتاب اللہ ہے، اس میں ہدایت ہے اور نور ہے دیکھو کتاب اللہ کو مضبوطی سے تھامو۔ اور اس سے تمسک کرو اور دوسری چیز میرے **اہلبیت** ہیں، دو مرتبہ فرمایا، اہلبیت، اہلبیت میں تمہیں اللہ کی یاد دلاتا ہوں اور پھر دوسری حدیث میں ہے کہ

یہ ترمذی شریف کی حدیث ہے۔ جب حضورؐ دیکھتے تھے۔ حسنؓ اور حسینؓ کو تو کہتے تھے، بارالہا! میں ان کو دوست رکھتا ہوں تو بھی ان کو دوست رکھ اور یہ بھی حدیث ہے کہ آپؐ نے ایک جگہ فرمایا کہ بارالہا! میں حسنؓ اور حسینؓ سے محبت رکھتا ہوں تو بھی ان سے محبت کر اور جو اِن سے محبت کرتے ہوں ان سے بھی محبت کر۔

یہ مشکواۃ شریف کی حدیث ہے۔ اُمِ فضل بنتِ حارث بیان کرتی ہیں کہ میں گئی رسولِ اکرمؐ کے پاس، یارسول اللہ میں نے خواب بُرا دیکھا ہے۔ کہا کیا دیکھا ہے کہا میں نے دیکھا کہ آپ کے جسم کا ایک ٹکڑا علیحدہ ہوا اور میری گود میں آ گیا۔ آپ نے کہا تو نے خواب اچھا دیکھا ہے۔ فاطمہ زہراؑ کے ہاں لڑکا ہوگا تو اسے پالے گی۔

پھر ایک مرتبہ میں نے حسینؓ کو اُٹھایا اور رسول اکرمؐ کی آغوش میں ڈال دیا اور میں دوسری طرف دیکھنے لگی۔ اب پلٹ کے دیکھتی ہوں تو رسول اکرمؐ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔ میں نے کہا میرے ماں باپ آپؐ پر فدا، آپؐ کیوں رو رہے ہیں تو کہا جبریلؑ نے خبر دی ہے کہ میرا بیٹا قتل ہوگا اور یہ سرخ مٹی بھی دے گیا ہے۔

رمزِ قرآں از حسینؓ آموختیم
زآتش اُو شعلہ ہا اندوختیم

علامہ اقبالؒ کہتے ہیں کہ رمزِ قرآن حسینؓ سے سیکھو، کیونکہ قرآن کا رمز کیا ہے۔ قرآن کی مکمل تاریخ دو جملوں میں یہ ہے کہ

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔

یہ قرآن کا خلاصہ ہے اور

بحرِ حق در خاک وخوں غلطیدہ است
پس بنائے لا الہ گرویدہ است

اور

نقشِ الا اللہ بر صحرا نوشت
سطرِ عنوان نجات ما نوشت

نقشِ اِلَّا اللّٰہ صحرا پہ قائم کیا اور ہماری نجات کا عنوان بتا دیا۔

اے صبا، اے پیک دور افتادگاں
اشک ما بر خاکِ پاک اور ساں

اقبالؒ کہتے ہیں، اے صبا، اے چلتی ہوئی ہواؤں میرے قریب آؤ اور میرے آنسوؤں کو لے جاؤ اور اس کی خاک پر چھڑک دو تو ہم بھی اپنے آنسو لے کر چلتے ہیں۔

دوستو! قافلہ چل رہا ہے، ایک عورت نے کہا کہ میں زینب کبریٰؑ کی زیارت کے لیے مدینے گئی تو میں نے دیکھا کہ ایک عورت نکلی، سفید چادر اوڑھے ہوئے، میں نے کہا یہ کون ہے کہا یہ اُم فروہ ہے، انکا بیٹا قاسمؑ، پھر ایک عورت نکلی، (یہ مدینے کی بات ہے) اور اس کے ساتھ اٹھارہ سال کا جوان ہے۔ میں نے کہا یہ کون ہے کہا یہ اُم لیلیٰ اور یہ انکا بیٹا اکبرؑ ....۔

کہا پھر ایک عورت نکلی جس کے ہاتھوں پر ایک ننھا سا بچہ تھا۔ انگلی پکڑے ہوئے ایک پانچ سال کی بچی۔ میں نے کہا یہ کون ہے کہا یہ ربابؑ ہے۔ بیٹا اصغرؑ ہے اور بیٹی سکینہؑ۔
پھر کہا، میں نے دیکھا کہ اس مرتبہ بنی ہاشم کے جوان کھڑے ہوئے کوئی ادھر

گیا، کوئی ادھر گیا، عباسؑ کھڑے ہوئے، اکبرؑ کھڑے ہوئے۔

لوگو! رُک جاؤ کیونکہ دو عالم کی شہزادی، رسولؐ کی نواسی، فاطمہؑ کی بیٹی، جناب زینب کبریٰؑ آ رہی ہیں۔

حسینؑ نے بڑھ کر بازو پکڑے، عباسؑ نے نعلین رکھے، اکبرؑ نے سہارا دیا اور زینب کبریٰؑ عماری پر بِحَوْلِ اللّٰہِ وَ قُوَّتِہٖ کہہ کر بیٹھیں۔

ہاں عباسؑ، اے حسینؑ، اے اکبرؑ، اے قاسمؑ آج پھر زینبؑ جا رہی ہے۔ آج پھر زینبؑ جا رہی ہے۔ اور آؤ زینبؑ کو سب مل کر اُٹھاؤ۔

دوستو! .... بہت مجبور ہے، بہت بے بس ہے، بہت بیکس ہے، میری شہزادی، کوئی نہیں ہے، سب مقتل میں سو رہے ہیں۔ اب سیدہ زینبؑ تنہا ہے، چاروں طرف دیکھتی ہیں کوئی نظر نہیں آتا۔

بھائی کو رو لوں .... ایسا نہیں ہے۔

اکبرؑ پہ گریہ کر لوں .... موقع نہیں ہے۔

قاسمؑ پہ آنسو بہا لوں .... موقع نہیں ہے۔

اکبرؑ کیا دیکھ رہا ہے؟ قاسمؑ کیا دیکھ رہا ہے؟ حسینؑ سوچتا ہے کہ تیری بہن تجھ پہ روتی نہیں، میں تیار ہوں، خیموں میں آگ لگی ہے۔ سکینہؑ کو بچاؤں، سجادؑ کو بچاؤں یا تمہیں آ کر روؤں۔

حسینؑ تم مجھے تنہا چھوڑ گئے، تم تھے تو اکبرؑ بھی تھے، قاسمؑ بھی تھے۔ عباسؑ بھی تھے، خیموں میں آگ لگ رہی ہے۔ سیدانیاں ایک خیمے سے دوسرے خیمے میں جا رہی ہیں۔ فوج یزیدی کا نامہ نگار لکھتا ہے کہ میں نے ایک عورت کو دیکھا جو بار بار خیموں میں

جاتی ہے۔ میں نے کہا شہزادی جلتے ہوئے خیموں میں کیوں جاتی ہے؟ کہا اس میں میرے بھیا کی امانت ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے دیکھا وہ شہزادی اپنی بانہوں پہ ایک جوان کو اٹھائے ہوئے باہر نکلی۔

اور پھر میں نے دیکھا ایک ننھی بچی خیمے سے چیختی ہوئی نکلی، دامن پہ آگ لگی ہوئے، اور کانوں سے تازہ خون بہہ رہا ہے اور چیخی جاری ہے۔

یَا عَمِّیَ الْعَبَّاس اَدْرِکْنِیْ، چچا عباسؑ میری مدد کیجئے۔

ایک شخص لکھتا ہے کہ میں نے بچی کے کرتے پہ آگ لگی ہوئی دیکھی، تو میں بچی کے پیچھے چلاتا کہ کرتے پر لگی ہوئی آگ بجھاؤں تو اس نے ننھے ننھے ہاتھ جوڑے اور ڈر کے کہا، اے شیخ مجھے ہاتھ نہ لگانا میں سیدہ کی پوتی ہوں۔

وہ شخص کہتا ہے کہ جب میں نے آگ بجھا دی تو اس بچی نے مجھے ایسی نگاہ سے دیکھا جیسے کبھی کسی نے اس پر رحم نہ کھایا ہو۔

کہا اے شیخ مجھے بتا نجف کا راستہ کس طرف ہے؟ میں نے کہا نجف جا کر کیا کرو گی، کہا نجف جا کر اپنے دادا علیؑ سے فریاد کروں گی کہ دادا تم یتیموں پر ترس کھایا کرتے تھے اور آج تیری سکینہؑ کو طمانچے لگ رہے ہیں۔

☆ ☆☆☆

شانِ رسالتؐ

(علامہ عرفان حیدر عابدی)

﴿ وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى
وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى۔﴾

سورۂ مبارک نجم کی ابتدائی چار آیات کی تلاوت کا شرف حاصل کیا گیا۔ یہ مکّی سورہ ختمی مرتبت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰؐ کے عصمتِ تکلم کی قسمیں کھاتا نظر آتا ہے۔ پروردگارِ عالم نے اس سورہ مبارکہ میں قسمیں کھا کر اعلان کیا کہ ﴿وَ النَّجْمِ اِذَا هَوٰى﴾ قسم ہے ستارے کی کہ جب وہ ٹوٹا۔ ہمارا نبیؐ نہ کبھی بہکا نہ کبھی گمراہ ہوا۔

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى﴾ اور اسکی دلیل یہ کہ وحی کے بغیر نطق نہیں کرتا۔ یعنی بات یہ واضح ہوئی کہ بھٹکنے یا گمراہ ہونے کا امکان وہاں ہے جہاں انسان وحی سے مسلسل نہ ہو۔ لیکن جہاں وحی کا تسلسل اور رابطہ برقرار رہے وہاں نہ بہکنا ہے نہ گمراہی ہے۔ مسلمانانِ عالم اپنے رسالتؐ مآب کی بارگاہ میں نذرانہ عقیدت کی منزل پر جو یہ کہہ دیتا ہے وہ وحی بن جاتی ہے۔ (نعرے)

مقامِ فکر یہ ہے کہ پروردگار جسے قسم کھانے کی ضرورت نہیں وہ مالک حقیقی جو محتاج نہیں ہے اپنے بیان میں اعتبار پیدا کرنے کیلئے قسم کھانے کا۔ وہ قسم نہ بھی کھائے تو پھر بھی اعتبار کرنا ہے وہ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ہے قسمیں تو ہمیں آپس میں ایک

دوسرے کو اپنے کلام کے ثابت کرنے کیلئے کھانی پڑتی ہیں۔لیکن وہ تو پروردگار ہے اسے تو ضرورت نہیں کہ وہ قسم کھائے لیکن اسکا قسم کھانا اس امر کی دلیل ہے کہ بیان میں شدت پیدا کرنے کیلئے اپنے حبیبؐ کے عصمتِ تکلم کی عظمت ثابت کر رہا ہے کہ زندگی کے کسی شعبے میں بھی، کسی کیفیت میں بھی، جب بھی اسکے لبِ مبارک سے جو جملہ جاری ہو اسے وحی سمجھنا اور یہ اب اسکی امانت، صداقت، شرافت، عصمت وطہارت ہے کہ آیت کو آیت کہہ دے۔ حدیث کو حدیث کہہ دے۔ یہ اس کی صداقت ہے یہ اس کی عظمت ہے اس کے عصمت تکلم کی قسمیں کھائی ہیں پروردگار نے۔ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر۔سب پر ہمارا ایمان سب اس کی تصدیق کرتے ہوئے آئے سب اس کی بشارت دیتے ہوئے آئے۔ سارے انبیائے کرامؑ نے اس کا اقرار کیا۔کس کی مجال ہے کہ وہ یہ طے کرے کہ وہ کب نبی تھا کس کی مجال ہے وہ یہ طے کرے کہ وہ منصب نبوت پہ کب آیا۔ بھائی لفظ ''کب'' نہیں تھا، یہ تھا جب لفظ ''جب'' نہیں تھا یہ تھا جب لفظ ''تب'' نہیں تھا یہ تھا جب ''تھا'' نہیں تھا۔ یہ تھا جب کیلنڈر نہیں تھا یہ تھا جب گردشِ ماہ وسال نہیں تھی، یہ تھا۔ (نعرے)

کوئی شخص اس وقت تک دائرۂ ایمان میں آ ہی نہیں سکتا جب تک وہ اقرارِ توحید کے ساتھ ساتھ اقرارِ رسالتِ محمدیؐ نہ کرے۔لیکن جس طرف ہمیں توجہ مرکوز رکھنا ہے وہ یہ کہ اگر سارے انبیاء جو سب کے سب برحق، مگر وجہ تخلیقِ کائنات ہے سرکار ختمی المرتبتؐ کی ذات، پروردگارِ عالم نے کسی نبی کیلئے حدیث قدسی میں یہ نہیں کہا کہ میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا۔ میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں تو اے محمدؐ میں نے تجھے خلق کیا۔

تو آدمؑ کے ذریعے سے اللہ کی پہچان نہیں ہوئی۔ نوحؑ کے ذریعے اللہ کی شناخت نہیں ہوئی۔تو پھر عقل انسانی کا فیصلہ کیا ہوگا کہ اس نبی کو کامل واکمل بنایا ہوگا کہ

حبیبؐ تجھے اس طرح دنیا میں بنا کر بھیجوں گا کہ اے حبیبؐ لوگ دیکھیں گے تجھے، مانیں گے مجھے۔ (پرجوش نعرے)

سوچنا یہ ہے کہ آدمؑ کی امت نے آدمؑ کا کلمہ پڑھا ہوگا، نوحؑ کی امت نے نوحؑ کا کلمہ پڑھا ہوگا۔ موسیٰؑ کی امت نے موسیٰؑ کا کلمہ پڑھا ہوگا لیکن ان سارے انبیاء کا کلمہ تھا۔ "لَآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ"

اور پھر بات صرف عقیدے کی نہیں ہے بات دلائل سے بھی ہے قرآن سے بھی ثابت، جو وجہ تخلیق کائنات ہے اگر اسی کا اقرار نہیں تو کسی کو کائنات میں آنے کا حق کیا ہے؟ (پرجوش نعرے)

جو اس منزل پر پروردگار ارشاد فرماتا ہے۔ حدیث قدسی میں ہے کہ "لَوْلَاكَ لَمَاخَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ" حبیبؐ میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا اگر تیری تخلیق مقصود نہ ہوتی۔ وجہ تخلیقِ کائنات تو ذاتِ پیغمبرؐ ہوئی ناں۔ تو کائنات میں کسی کو رہنے کا اختیار نہیں اس کا اقرار کئے بغیر۔ (یَاعَلِیؑ یَاعَلِیؑ یَاعَلِیؑ) لیکن بات اگر حدیث تک رہے گی تو کوئی اور منزل ہوگی۔

آیئے اب قرآن سے پوچھیں کہ کیا ان سارے انبیاء نے میرے رسولؐ کا کلمہ پڑھا یا نہیں تو آیت "میثاق" نے بڑھ کر اعلان کیا:

﴿ وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآئَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرَنَّهٗ۔ ﴾

یہ عالمِ لطیف کی بات ہے عالمِ کثیف کی بات نہیں ہے جہاں روحوں سے اقرار لیا گیا تھا۔

میرے حبیبؐ! یاد کرو وہ وقت جب ہم نے سارے گروہ انبیاء سے یہ عہد

لیا تھا جب آخر میں ایک مصدق نبی آئیگا۔تم اس پر ایمان بھی لاؤ گے اس کی نصرت بھی کرو گے عزیزانِ محترم! منطق کا فیصلہ کیا ہے کہ رسول کو یاد دلایا جا رہا ہے حبیبؑ یاد کرو وہ وقت! یاد اسے دلایا جاتا ہے جو موقع پر موجود ہو۔ (پرجوش نعرے)

جہاں جہاں بھی یہ اصطلاحات آئیں ہیں جیسا کہ ایک مقام پر ارشاد ہوا: میرے حبیبؑ یاد کرو وہ وقت جب ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کعبے کی دیواریں بلند کرتے جاتے تھے اور دعا کرتے جاتے تھے کہ ہمارے پروردگار ہماری اس محنت کو، اس خدمت کو قبول فرما۔ تو تسلیم کرنا پڑے گا نہ عقلِ انسانی کو کہ جب ابراہیمؑ کعبے کو تعمیر کر رہے تھے تو جسے یاد دلایا جا رہا ہے وہ نبی دیکھ رہا تھا کہ کس کا گھر بن رہا ہے۔ یا علیؑ یا علیؑ (نعرۂ حیدری)

حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ نے دیواروں کو بلند کیا۔ دعا کی، گھر بنایا۔ معصوم دعا کرے پروردگار نے بھی دعائے ابراہیمی کو سندِ تکمیل عطا کرنے کیلئے کسی مرحلہ پر دیوار میں شق کر کے ثابت کر دیا کہ وہ بیت تم نے ہمارے لئے بنایا تھا۔ مگر ﴿هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ﴾ احسان کا بدلہ احسان کے تحت ہم لامکان ہیں، ہم لازمان ہیں، ہمیں مکان کی ضرورت نہیں۔ بیت تم نے ہمارے لئے بنایا ہم دیوار شق کر کے اسے تمہاری اہلبیتؑ کیلئے مخصوص کر دیں گے۔

حبیبؑ! یاد کرو وہ وقت جب ہم نے سارے گروہ انبیاء سے یہ عہد لیا۔ یہ میثاق لیا کہ تمہیں اس شرط پر حکمت و کتاب و نبوت عطا کی جاتی ہے کہ جب ایک مصدق نبیؑ آئیگا تو تنہا تمہارا اس پر ایمان لانا کافی نہیں ہے مشکل کے وقت نبیؑ کی نصرت بھی لازمی ہے۔

اور پھر معاہدہ کو مضبوط کرنے کیلئے بات کو آگے چل کر واضح بھی کیا گیا،

بتایا بھی گیا پروردگار نے پوچھا تم سب اقرار کرتے ہو؟ سب نے کہا ہم اقرار کرتے ہیں جب سب نے اقرار کرلیا ارشاد ہوا اچھا گواہ بن جاوَ۔ اور میں بھی تمہارے ساتھ ساتھ گواہی دینے والوں میں شامل ہوں۔ دوستو! اگر بات یہاں تک رک جاتی تو بات عظمت پیغمبرؐ کیلئے مکمل تھی مگر ہماری جانیں قربان اس وجہ تخلیق کائنات رسولؐ پر، اس وجہ تزئین شش جہت پر اس علمِ اوّل پر، اس حسنِ اوّل پر، اس نورِ اوّل پر اس گنتی کے پہلے عدد پر سب نے کہا اقرار کرتے ہیں اقرار کس کا تھا؟ محمد رسولؐ اللہ کا تھا اور اس اقرار میں آدمؑ بھی شامل۔

آدمؑ کا اقرار بھی ''لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدُ رَّسُوْلُ اللّٰہِ'' تو جب آدمؑ کا اقرار ہے ''لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدُ رَّسُوْلُ اللّٰہِ'' تب آدمؑ کے تو کسی بیٹے کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ یہ تاریخ طے کرے کہ یہ کب سے نبی ہے اور یاد رکھو جس نے بھی اس عہد کی خلاف ورزی کی تو نبوتیں تو ایک طرف دائرہ ایمان سے باہر چلے جاوَ گے۔

اور پھر دوسرے مقام پر ارشاد ہوا اس کی ابدی، ازلی اور قدیمی نبوت کا، کہ اگر یہ سب سے پہلے نہیں تھا تو قرآن نے پکار کر کیوں کہا کہ میرے حبیبؐ!

﴿ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴾

قیامت کے دن دیکھنا ساری امتوں کا عالم کیا ہوگا۔ جب ہم تمام امتوں پر ان کے نبیوں کو گواہ بلائیں گے اور سب نبیوں پر تمہیں گواہ بلائیں گے۔ یہاں تو یہ ارشاد ہوا پھر سورہ مبارک ''رعد'' میں یہ ارشاد ہوا:

﴿وَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ وَ مَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ﴾

حبیبؑ! کافر یہ کہتے ہیں کہ تو مرسل نہیں ہے یہ کافر ہیں جو تیری نبوت پہ شک کرتے ہیں یہ اگر تجھے نہیں مانتے تو نہ مانیں ہم نے تمہیں رسولؐ ان کے مشورے سے تو نہیں بنایا "قُلْ" کہہ دے ﴿كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا﴾ اللہ کافی ہے میری رسالت کی گواہی کیلئے۔ (نعرے)

سورہ رحمٰن میں ارشاد ہوا:

﴿ اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرآنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ۔﴾

رحمٰن وہ ہے جس نے تعلیم قرآن دی پھر انسان کو پیدا کیا۔ اے جہان کے انسانو! مجھے بتاؤ جو پیدا ہونے سے پہلے تعلیم قرآن لے رہا ہو۔ لیکن یہاں رسالتؐ کی گواہی کی بات ہے رسولؐ خود مدعی ہیں اور مدعی خود اپنے دعوے کا گواہ نہیں ہوا کرتا۔ اسلئے پروردگار نے کہا کہ اگر یہ کافر تمہیں رسولؐ نہیں مانیں نہ مانیں، کہو کہ گواہی کیلئے ایک اللہ کافی ہے اور ایک وہ جسے ہم نے کُل کتاب کا علم عطا کیا۔

ایک تو خالقِ کتاب ہے گواہ، رسولؐ ہیں مدعی، ہیں کُل کتاب کے عالم مگر مدعی ہیں رسالت کے! تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ کوئی تیسرا ہے کُل کتاب کا عالم جو رسالت کا گواہ ہے یہی وجہ ہے کہ چالیس برس تک اعلان نہیں کیا اور جب کعبے میں پہنچے۔ آغوش میں بچے کو لیا اپنی زبان چسائی۔ مکمل کتاب کا علم لے کر نبیؐ وہاں سے آتا ہے اس لئے تو اعتماد سے پروردگار نے قسم کھائی:

﴿ وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى مَاضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَ مَا غَوٰى وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾

تم اس کی ساری زندگی میں دیکھنا، چاہے یہ اعلان رسالت کرے یا نہ کرے

خالی اپنی اطاعت قبول نہیں کروں گا جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی۔ اطاعت ہوتی ہے قول کی، اتباع ہوتا ہے فعل کا۔

سورہ مبارکہ آل عمران کی ۳۰ویں، ۳۱ویں آیت میں یکے بعد دیگر اطاعت کا بھی حکم ہے اتباع کا بھی حکم ہے:

﴿ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَايُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ۔﴾

اگر تم اللہ سے محبت کا دعویٰ کرتے ہو تو میرے حبیبؐ ان سے کہو کہ میرا اتباع کریں۔ دعویٰ اللہ کی محبت کا، اتباع رسولؐ کا۔

ہم نے زیادہ سے زیادہ کہا حضورؐ محبوبِ خدا ہیں، قرآن کہتا ہے نہیں یہ میرے نبیؐ کی شان نہیں ہے۔ ان کلمہ پڑھنے والوں سے کہو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو رسولؐ کا اتباع کرو۔

اتباعِ رسولؐ کے بغیر میں اپنی محبت کا دعویٰ تم سے قبول نہیں کروں گا۔ اور جب تم نے اتباعِ رسولؐ کر لیا تو پھر تمہیں دعویٰ کرنے کی ضرورت نہیں اللہ خود تم سے محبت کرے گا۔ محبوبِ خدا تو وہ ہے جو اتباعِ رسولؐ کرے۔

پیغمبرؐ تو مرکزِ محبتِ الٰہی ہیں، میزانِ محبتِ الٰہی ہیں، یعنی اس ترازو پر تُلے گا انسان، جو رسولؐ دے، لے لو۔ جس سے روکے، رُک جاؤ۔ جو رسولؐ کہے وہ کہو، جو کرے، وہ کرو۔ نہ اپنی طرف سے کچھ کہو نہ اپنی طرف سے کچھ کرو۔ اسی لئے جب دین تکمیل کی منزل میں آیا۔ تو ایک ہی وقت میں رسولؐ نے کہا بھی اور کیا بھی، ہاتھوں پہ بلند

خالی اپنی اطاعت قبول نہیں کروں گا جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی۔ اطاعت ہوتی ہے قول کی، اتباع ہوتا ہے فعل کا۔

سورہ مبارکہ آل عمران کی ۳۰ویں، ۳۱ویں آیت میں یکے بعد دیگر اطاعت کا بھی حکم ہے اتباع کا بھی حکم ہے:

﴿ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَ۔ ﴾

اگر تم اللہ سے محبت کا دعویٰ کرتے ہو تو میرے حبیبؐ ان سے کہو کہ میرا اتباع کریں۔ دعویٰ اللہ کی محبت کا، اتباع رسولؐ کا۔

ہم نے زیادہ سے زیادہ کہا حضورؐ محبوبِ خدا ہیں، قرآن کہتا ہے نہیں یہ میرے نبیؐ کی شان نہیں ہے۔ ان کلمہ پڑھنے والوں سے کہو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو رسولؐ کا اتباع کرو۔

اتباع رسولؐ کے بغیر میں اپنی محبت کا دعویٰ تم سے قبول نہیں کروں گا۔ اور جب تم نے اتباع رسولؐ کر لیا تو پھر تمہیں دعویٰ کرنے کی ضرورت نہیں اللہ خود تم سے محبت کرے گا۔ محبوبِ خدا تو وہ ہے جو اتباع رسولؐ کرے۔

پیغمبرؐ تو مرکزِ محبتِ الٰہی ہیں، میزانِ محبتِ الٰہی ہیں، یعنی اس ترازو پر تُلے گا انسان، جو رسولؐ دے، لے لو۔ جس سے روکے، رُک جاؤ۔ جو رسولؐ کہے وہ کہو، جو کرے، وہ کرو۔ نہ اپنی طرف سے کچھ کہو نہ اپنی طرف سے کچھ کرو۔ اسی لئے جب دین تکمیل کی منزل میں آیا۔ تو ایک ہی وقت میں رسولؐ نے کہا بھی اور کیا بھی، ہاتھوں پہ بلند

کر کے عمل کیا زبان سے:

"مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَھٰذَا عَلِیٌّ مَوْلَاہُ۔"

کہہ کر دین مکمل، نعمتیں تمام، اللہ راضی۔ (نعرۂ حیدری)

میں قربان ہو جاؤں آمنہؑ کے اس چاند پہ، کہ ایک کم ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروںؑ کی ہزاروں برسوں کی تبلیغ کے باوجود بھی جو دین نامکمل تھا ۲۳ برس کے قلیل عرصے میں اس خاتم النبینؐ نے اس دین کو اتنا مکمل کر دیا اور حجِ آخر کے موقع پر انسانی فلاح کا قانون دے کر دنیا کو بتا دیا کہ کہنا پڑا انقلابی شاعروں کو کہ اے رسولؐ!

اس قدر عجلت سے تُو روئے زمیں پر چھا گیا
مدعی چکرا گئے تاریخ کو غش آ گیا

ساری سیرت کا خلاصہ کیا ہے؟

پتھر کھاتے ہوئے نظر آتے ہیں، پتھر مارتے ہوئے نظر نہیں آتے۔ حجرِ اسود کی تنصیب پر اگر عزتیں حاصل کرنے کے لئے قبیلے لڑتے نظر آئیں تو امن رسولؐ کی تدبیر سے، یہی وجہ ہے کہ اگر نبیؐ پتھر کو بھی نصب کر دے تو چومنا واجب۔

قرآن مجید نے کسی بھی مقام پر توریت کی تردید نہیں کی، انجیل کی تردید نہیں کی۔ لیکن عمل کرنے کا حکم بھی نہیں دیا۔ اس لئے کہ توریت، انجیل، زبور کے خودساختہ نااہل وارثوں نے نبیوں کے جانے کے بعد اس میں ردّوبدل کر دیا تھا۔ اس لئے انسانیت کو گمراہی سے بچانے کے لئے یہ حکم دے دیا کہ کتاب پر ایمان لاؤ۔ اس لئے کہ اللہ کی طرف سے ہے۔ عمل اس لئے نہ کرو کہ بندوں نے تخریب کاری کر دی۔

ذاتِ پیغمبرؐ مکمل نمونۂ عمل ہے تمام مسلمانوں کیلئے۔ تو مجھے بڑی محبت کے

ساتھ ملتِ اسلامیہ یہ جملے کہنے دے کہ پیغمبر اسلامؐ کافروں کو مسلمان بنانے آئے تھے۔ مسلمان کو کافر بنانے نہیں آئے۔

اسی آغوش کی تربیت کا حسین ترین شاہکار حسینؑ، فرزندِ سیدہ فاطمہؑ حسینؑ، شہیدِ اعظم حسینؑ، نجات دہندۂ انسانیت حسینؑ، کائنات کا مولا حسینؑ، پشتِ نبوت پر سوار ہونے کا شرف حاصل کرنے والا حسینؑ، اپنے نانا کی تربیت کا نتیجہ **61** ھجری میں کربلا میں دے رہا ہے جب انکار ہو رہا ہے کس کا؟ حسینؑ کا نہیں، علیؑ کا نہیں، فاطمہؑ کا نہیں، یعنی یزید نے دعویٰ نہیں کیا کہ (معاذ اللہ) میں سیدزادہ ہوں۔ یزید نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ (معاذ اللہ) میں رسولؐ کی اولاد میں سے ہوں۔ یزید نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میں امام ہوں۔

یزید نے اعلان کیا.......... کوئی نبی نہیں تھا، کوئی وحی نہیں آئی تھی، انکارِ نبوت بھی ہوا۔ انکارِ قرآن بھی ہوا۔ تو تصادم کس سے ہوا یزید کا؟ حسینؑ سے نہیں، ٹکرایا ہے یزید اللہ سے، اس لئے کہ قرآن اللہ کا، دین اللہ کا، ملک اللہ کا، حکومت اللہ کی، سلطنت اللہ کی، درمیان میں حسینؑ آیا۔ تو اس جنگ کو یزید اور حسینؑ کی جنگ نہ سمجھنا۔ یہ جنگ ہے یزید اور پروردگار کے درمیان، جو لڑی گئی حسینؑ کے ذریعے سے! جبھی تو خواجہ اجمیریؒ نے پکارا کر کہا

؎ حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسینؑ

۲۸ رجب ۶۰ ھ کو مدینہ چھوڑا، نانا کے روضے سے جدا ہوئے۔ سلام آخر کیا، ماں کی قبر پر جنت البقیع میں آئے اور سلام کر کے ایک جملہ کہا۔ اماں قبر میں کیوں سو رہی ہو نانا کے دین پر وقت آ گیا ہے۔

؎ تم بھی لہو میں اپنا چمن دیکھنے چلو
زینبؑ کے بازوؤں میں رسن دیکھنے چلو

۳ شعبان کو مکّہ پہنچے، قیام کیا مسلسل کعبے میں۔ دوستو میرے مسلمان بھائیو! میں دستِ ادب باندھ کے عرض کرتا ہوں مجھے پوری کائنات میں کوئی ایسا حاجی بتادو۔ جو مہینوں سے کعبے کی دیوار کے نیچے حج کا انتظار کررہا ہو۔ اور عین حج سے ایک دن پہلے احرام کھول کر یہ کہہ کہ کعبے کو سلام کر کے چلا جائے کہ میرے اللہ کے گھر تیری حرمت باقی رہے۔

دو محرم کو کربلا پہنچے، تین کو خیمے دریا سے ہٹے، چار کو فوجیں آنا شروع ہوئیں۔ سات محرم کو پانی بند ہوا۔ تین دن تک العطش، العطش کی آوازیں خیامِ حسینی سے آئیں، عاشور کا دن آیا۔ اذانِ علی اکبرؑ سے اللہ کی کبریائی کا اعلان ہوا۔ نمازِ فجر سے آغازِ شہادت تک ۱۰ گھنٹے میں حسینؑ کا کچھ نہیں بچا، رسولؐ کا سب کچھ بچ گیا۔

اُجڑ گیا بتولؑ کا گھر، نہ اکبرؑ نہ قاسمؑ نہ عونؑ و محمدؑ نہ عباسؑ، کربلا میں ایک منزل ایسی بھی آئی کہ کربلا میں ایک چھے مہینے کے بچے کو............ ہم شامِ غربت کے قریب آگئے۔

حسینؑ نے درِ خیمہ پر آکر اجازت مانگی۔ زینبؑ سلام، رقیہؑ سلام، ربابؑ سلام، لیلیٰؑ سلام، امام فضہؑ سلام، ایک ایک بی بی کو سلام کیا............ دروازے پہ سواری کا انتظام نہیں تھا سواری تو کھڑی تھی کوئی رکاب تھامنے والا نہیں تھا۔ دائیں بائیں دیکھ کر کہا۔ اَیْنَ اَیْنَ حَبِیْب اَیْنَ اَیْنَ زُھَیْر............ ہے کوئی ہماری سواری کو لانے والا۔

جب کوئی آواز نہیں۔ تو خیمے کے پردے سے ایک بی بی کی آواز آئی، حسینؑ! اجازت دے بہن باہر آجائے تیرے گھوڑے کی رکاب تھامنے۔

حسینؑ ذوالجناح پہ سوار ہوئے۔ ذوالفقار نیام سے نکالی۔ فوجوں پر حملہ کیا۔ میمنہ کو میسرہ پہ پلٹا، میسرہ کو قلبِ لشکر پہ پلٹا۔ یہاں تک کہ یزیدی فوج کا آخری دستہ کوفے کی سرحدوں سے ٹکرایا۔ آخری وقت میں محمدؐ مصطفیٰ کا نواسہ جنگ کر کے یہ بتا رہا ہے کہ تاریخ کا کوئی مؤرّخ یہ نہ لکھ دے کہ مجبوراً گھیر کر مار دیا تھا۔ میں تو اس لئے شہادت دے رہا ہوں کہ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ باقی رہ جائے۔

عزادارو! جب حسینؑ حملہ کرتے تھے اور یزید کی فوجیں بھاگتی تھیں تو حسینؑ رُک کر کہتے تھے، عباسؑ بڑا حوصلہ تھا تجھ میں لڑنے کا، آ تین دن کے پیاسے کی جنگ دیکھ، اکبرؑ بڑا ناز تھا تجھے اپنی جوانی پر، بوڑھے باپ کی جنگ دیکھ، ارے میرے شیرو! کہاں ہو؟ مجھے کوئی داد نہیں دیتا۔ بار بار خیمے سے ایک دبی دبی سی آواز آتی تھی:

مرحبا میرے پیاسے بھائی مرحبا!

جب فوجوں میں قیامت برپا ہوئی۔ یہاں تک کہ یزید کی فوجوں نے اعلان کیا الامان الحفیظ، اے رحمت للعالمینؐ کے نواسے ہمیں امان دے!

ادھر یزید کی فوجوں کی آواز آئی۔ ادھر جبریلؑ نے زیرِ آسمان سورۂ فجر کی آیت تلاوت کی:

﴿ يَاأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِىۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴾

اے نفسِ مطمئنہ! حسینؑ لوٹ آ اپنے ربّ کی طرف، میں راضی ہوگیا۔

اے نوجوان بیٹے کا لاشہ اٹھانے والے میں راضی ہوگیا۔ اے نوجوان بھائی کے بازو اٹھانے والے میں راضی ہوگیا۔ جیسے ہی جبریلؑ کی یہ آواز آئی۔ حسینؑ نے ایک مرتبہ گردن جھکائی۔ ذوالفقار کو میان میں ڈال کر کہا:

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اتنا کہنا تھا عزادارو!............ کہ حسینؑ کی تلوار نیام میں آ گئی۔ عمر سعد کے لشکر نے گھیرے میں لے لیا۔ کسی نے تیر مارا۔ کسی نے تلواریں ماریں، کسی نے خنجر مارے کسی نے پتھر مارے ایک ہزار نو سو پچاس زخم کھا کر پشت ذوالجناح سے زمین پر تشریف لائے ایک مرتبہ فضہ نے آواز دی، بی بی زینبؑ تیرے بھائی کی خیر............

آپ یہ سنتے ہیں حسینؑ کو ذبح کیا گیا۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ ذبح ہوتا ہے شہ رگ سے میرے امامِ زمانہؑ فرماتے ہیں کہ میرا اسلام ہو اس جدّ نامدار شہید حسینؑ پر جسے شہ رگ سے ذبح نہیں کیا گیا، پشتِ گردن پر ضربیں مار کر جس کا سر تن سے جدا کیا گیا۔

ادھر حسینؑ کا سر نیزے پہ بلند ہوا۔ ادھر بی بی سکینہؑ کہتی ہیں کہ شمر اپنی فوج کا دستہ لئے ہمارے خیموں کی طرف بڑھا خیموں میں آگ لگا دی گئی، سیّدانیوں کے سروں سے چادریں اُتار لی گئیں۔

یہ کس کی بیٹیوں کی چادریں اُتر رہی ہیں جس محمدؐ نے یتیم لڑکیوں کے سروں پر چادریں ڈالی تھیں۔ عزادارو! بی بی سکینہؑ کہتی ہیں جب پھوپھی زینبؑ کی چادر چھنی تو ایک مرتبہ شہزادی زینبؑ نے اپنے ہاتھ اپنے سر پر رکھے اور پکار کر کہا............ عباسؑ میری چادر!

اندھیرا ہو گیا............ شام ہو گئی............ ڈوب گیا سورج............ کربلا میں شام غریباں چاروں طرف لاشے، کھلے سر بیبیاں، سہمے ہوئے بچے۔

حمید کہتا ہے میں نے دیکھا ایک بچی جس کے کان زخمی جس کے کُرتے کا دامن جلا ہوا۔ جو دریا کی طرف دوڑی ہوئی جا رہی ہے اور آوازیں دے رہی ہے چچا عباسؑ میرے بندے چھین لئے گئے۔

کربلا میں رات ہوگئی.......... کربلا میں سناٹا ہوگیا..........

ایک خیمہ باقی رہ گیا۔ اس جلے ہوئے خیمے سے علیؑ کی بیٹی نے، محمدؐ مصطفیٰ کے جانشین کو اپنی پشت پہ لٹایا۔ جو خیمے میں غش میں پڑا تھا۔ شانہ ہلا کر شریعت کی پابندی کا اعلان بھی کیا۔ امامت کا حق بھی بتایا۔

سجادؑ! ہمارے خیمے جل گئے۔ اب ایک خیمہ رہ گیا ہے، بتاؤ خیمے میں رہ جائیں یا جل کر مر جائیں؟ سید سجادؑ نے ایک مرتبہ غش سے آنکھ کھولی اور فوراً آنکھوں پر ہاتھ رکھا، زندگی میں پہلی مرتبہ قیامت کا منظر دیکھا۔

پھوپھی کے کھلے سر کو دیکھ کر کہتے ہیں: پھوپھی اماں میرے چچا عباسؑ کہاں ہیں بی بی کہتی ہیں بیٹا، عباسؑ ہوتے تو میری چادر چھنتی!

ایک مرتبہ بی بی زینبؑ نے کہا اب تک روئی تھی اب نہیں روؤں گی بچو، بیبیو! تم آرام سے جلی ہوئی قنات کے نیچے بیٹھو.......... عباسؑ نہیں تو کیا ہوا۔ زینبؑ تو موجود ہے، میں پہرہ دوں گی۔

سارے بچوں کو اکٹھا کر لیا گیا، ہر ماں کی گود میں سہما ہوا بچہ تھا۔ سب بچے مل گئے۔ لیکن سکینہؑ نظر نہیں آئی۔ زینبؑ کہتی ہیں بہن اُم کلثومؑ بچوں میں سکینہؑ نظر نہیں آرہی۔ بی بی نے کہا سکینہؑ دو طرف ہی جا سکتی ہے یا تو زخمی کان دکھانے عباسؑ کی طرف گئی ہوگی یا سینے پر سونے کے لئے حسینؑ کی طرف گئی ہوگی، آؤ ایسے کریں میں دریا کی طرف جاتی ہوں تم مقتل کی طرف جاؤ۔

عزادارو!.......... بی بی اُم کلثومؑ دریا کی طرف چلیں۔ دریا کے قریب ایک بازو بریدہ لاشہ دیکھا، کیا وقت آگیا تھا آلِ رسولؐ پر.......... لاشہ دیکھ کر ایک مرتبہ

آواز دی..........عباسؑ !

راوی کہتا ہے کہ میں نے دیکھا عباسؑ کا لاشہ دریا کی ترائی سے تین مرتبہ بلند ہوا۔ بی بی نے کہا بھیا میں تجھے اپنا کھلا سر دکھانے نہیں آئی۔ مجھے تو صرف اتنا بتا دے یہاں سکینہؑ تو نہیں آئی۔ لاشۂ عباسؑ سے آواز آئی۔ شہزادی یہاں سکینہؑ نہیں ہے اور ادھر علیؑ کی بڑی بیٹی، ادھر حسینؑ کو زندہ رکھنے والی زینبؑ، ادھر فاتحِ شام زینبؑ، مقتل میں پہنچی۔ آوازیں دیتی ہوئی رات ہے.........اندھیرا ہے..........

ایک لاش سے الجھ کر جو زینبؑ گریں۔ غور سے جو دیکھا، سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا اکبرؑ ! پھوپھی ٹھوکریں کھا رہی ہے جنگل میں..........

بہن کا پتہ بتا دے۔ آگے بڑھ گئی۔ ایک نشیب کے قریب پکارا، سکینہؑ ....سکینہؑ ....سکینہؑ ....

ایک نشیب سے آواز آئی۔ بہن زینبؑ ! آہستہ بولو، سکینہؑ میرے پاس ہے اس آواز پر بی بی زینبؑ نے نشیب میں اتر کر وہ منظر دیکھا جو زینبؑ نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

سکینہؑ حسینؑ کے پیروں پر منہ رکھے ہوئے تھی۔

سکینہؑ کو زینبؑ نے جگا کر کہا سکینہؑ تم تو باپ کے سینے پر سونے کی عادی تھی آج باپ کے قدموں میں کیوں لیٹی ہو۔ سکینہؑ نے کہا کہ پھوپھی اماں آئی تھی سینے کی طرف، مگر سینے پر اتنے تیر تھے کہ پاؤں ہی سے لپٹ کر سوگئی۔

سکینہؑ ....ہمارا سلام..........حسینؑ ہمارا سلام...... سیدہ زینبؑ ہمارا سلام

☆☆☆

فخر العالمینؐ

(علامہ طالب جوہری)

﴿ وَ يَوْمَ نَبْعَثُ فِىْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْداً عَلَيْهِمْ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ جِئْنَا بِكَ شَهِيْداً عَلٰى هٰؤُلَاۗءِ وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَاناً لِكُلِّ شَيْئٍ وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً وَّ بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ۔﴾

عزیزانِ محترم! اس متبرک ومحترم اور معزز اجتماع کے لیے میں نے سرنامۂ کلام میں سورہ النحل کی ایک آیت کی تلاوت کا شرف حاصل کیا۔ سورہ النحل قرآنِ مجید کا سولہواں سورہ ہے اور جس آیت کی تلاوت کا شرف حاصل کیا گیا اس کا نشان نواسی ہے۔

اس آیتِ مبارکہ میں پروردگارِ عالم نے پیغمبر اکرمؐ کو مخاطب کیا۔ اور مخاطب کرنے کے بعد دو مستقل بالذات باتیں ارشاد فرمائیں:

﴿ وَ يَوْمَ نَبْعَثُ فِىْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْداً عَلَيْهِمْ مِنْ اَنْفُسِهِمْ۔﴾

قیامت کے دن ہم ساری قوموں پر ان کے نبیوں کو گواہ بنا کر لائیں گے۔

﴿وَ جِئْنَا بِكَ شَهِيْداً عَلٰى هٰؤُلَاۗءِ۔﴾

اور حبیبؐ اسی قیامت کے میدان میں نبیوں پر تجھے گواہ بنا کر لائیں گے۔

ہر نبی اپنی قوم کا گواہ، میرا نبیؐ سارے نبیوں کا گواہ۔

﴿وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ۔﴾

اور حبیبؐ ہم نے اس کتاب کو ''اب تک صاحبِ کتاب کا ذکر تھا اور اب کتاب کا تذکرہ'' حبیبؐ ہم نے اس کتاب کو تیرے اوپر اتارا:

﴿ تِبْيَاناً لِّكُلِّ شَيْئٍ ﴾ اس کتاب میں ہر شئے کا کھلا بیان ہے۔

وَ هُدًى یہ کتاب ھدایت ہے، وَ رَحْمَةً یہ کتاب رحمت ہے، وَبُشْرٰى یہ کتاب خوشخبری ہے۔ لِلْمُسْلِمِيْنَ مسلمانوں کے لیے۔

یہ کتاب ہدایت بھی ہے، رحمت بھی ہے، خوشخبری بھی ہے اور اس کتاب میں ہر شئے کا علم ہم ۔نے رکھ دیا۔ اور حبیبؐ ہم نے اس کتاب کو تیرے اوپر نازل کیا۔

پروردگار سن لیا ہم نے کہ تو نے اس کتاب کو اپنے حبیبؐ پر نازل کیا۔ مالک کب نازل کیا؟ کہا قرآن پڑھو:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْآنُ نَزَّلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ۔﴾

حبیبؐ! ہم نے اس قرآن کو جبریلؑ کے ذریعے تیرے دل میں اُتارا۔ کانوں پہ نہیں، آنکھوں پہ نہیں، دماغ پہ نہیں، قرآن اترا میرے محمدؐ کے دل پر تو اب پروردگار ایک سوال کا جواب اور دے دے، تیرے قرآن کی قوت کیا ہے؟ کہا جاؤ سورہ حشر میں پڑھو، انسٹھواں سورہ ہے قرآن مجید کا:

﴿ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْآنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهٗ خَاشِعاً مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ۔﴾

پہاڑ استقلال کی علامت ہے، پہاڑ ثابت قدمی کی علامت ہے۔ پہاڑ اپنی جگہ نہیں چھوڑتا، تاہم محاورے میں کہتے ہیں فلاں شخص اپنی رائے میں پہاڑ ہے۔ ہٹتا نہیں ہے۔ تو پہاڑ نہ زلزلوں کا نوٹس لے، نہ آندھیوں کا نوٹس لے۔ نہ جگہ چھوڑے، نہ ہلے، نہ ڈگمگائے۔ لیکن قرآنِ مجید میں طاقت اتنی ہے کہ اگر قرآن پہاڑ پہ آجائے تو پہاڑ

اپنی جگہ چھوڑ دے۔ جسے اتنے مضبوط پہاڑ نہ روک سکیں۔ اسے ابوطالبؑ کا بھتیجا اپنے دل پہ روک لے۔ (نعرۂ حیدری)

بات پہنچ رہی ہے ناں، میرا نبی سمجھ میں آ رہا ہے کہ نہیں؟ عبدالمطلبؑ کا پوتا ہے۔ عبداللہ کا بیٹا ہے۔ آمنہ کا چاند ہے۔ ابوطالبؑ کا بھتیجا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ اور بی بی آمنہؑ کے بیٹے نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی کہ پروردگار اگر تیرے بنائے ہوئے قرآن کو تیرے بنائے ہوئے پہاڑ برداشت نہ کر سکیں تو میرے دل کو اپنے قرآن کا رحل بنا دے۔ تو جسے پہاڑ نہ اٹھا سکا اسے محمدؐ کے دل نے اٹھا لیا۔ اب قلبِ محمدؐ کی طاقت سمجھ میں آئی۔ بھئی جس کا دل اتنا مضبوط ہو اس کا دماغ کمزور نہیں ہو سکتا۔ (نعرۂ حیدری)

قرآن کیلئے کہا: ﴿ تِبْيَاناً لِكُلِّ شَيْءٍ ﴾ ہم نے ہر شئے کا بیان قرآن میں لکھ دیا۔ اور نبیؐ کیلئے کہا: ﴿ عَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ﴾ (۱۳:النساء) حبیبؐ ہر شئے کا علم تجھے دے دیا۔

تو ہر شئے کا بیان قرآن میں، ہر شئے کا علم محمدؐ میں۔ قرآن اور محمدؐ برابر ہو گئے یا نہیں؟ چار صفات ہیں ناں قرآن پاک کی۔ دوسری صفت قرآن کی کہ قرآن ہدایت ہے۔ ھدًی قرآن ہدایت ہے۔ محمدؐ ﴿ وَ اِنَّكَ لَتَهْدِي اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴾ (۵۲ الشوریٰ)۔ تو ہدایت کرنے والا ہے صراطِ مستقیم کی طرف۔ سارا بیان قرآن میں سارا علم محمدؐ میں۔ قرآن ہدایت ہے۔ محمدؐ ہدایت کرنے والا ہے۔ رسولؐ اور قرآن دو صفتوں میں برابر ہو گئے ناں۔ تیسری صفت رَحْمَة قرآن رحمت ہے۔ اور محمدؐ عالمین کے لیے رحمت۔

﴿ وَ مَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ ﴾ (الانبیاء :۱۰۸)

حبیبؐ ہم نے تجھے عالمین کے لیے حصولِ رحمت بنایا۔ قرآن رحمت، رسلؐ رحمت، قرآن ہدایت، رسولؐ ہدایت کرنے والا۔ سارے بیان قرآن میں۔ سارا علم رسولؐ میں۔ تینوں صفتوں میں رسولؐ برابر ہوگئے ناں قرآن کے۔ اب صرف چوتھی صفت۔ بُشْریٰ لِلْمُسْلِمِیْنَ، مسلمانوں کے لیے بشارت ہے۔

کیا سورہ احزاب کی آیت بھول گئے جس میں پروردگار نے کہا:

﴿ یَاأَیُّهَا النَّبِیُّ إِنَّا أَرْسَلْنٰكَ شَاهِداً وَّمُبَشِّراً وَّ نَذِیْراً۔ ﴾

حبیبؐ! ہم نے تجھے نبی بنایا، تجھے رسول بنایا، تجھے خوشخبری سنانے والا بنایا۔ قرآن خوشخبری، محمدؐ خوشخبری سنانے والا۔ تو چاروں صفتیں جو قرآن کی تھیں وہ میرے نبیؐ میں ہیں کہ نہیں ہیں؟ ایسا لگتا ہے کہ جیسے چیز ایک ہے پہلو دو ہیں۔ یعنی میں کہنا کیا چاہ رہا ہوں۔ علمِ الٰہی جب لفظوں میں ڈھلا تو قرآن کہلایا۔ اور وہی علمِ الٰہی جب پیکر میں ڈھلا تو محمدؐ کہلایا۔ قرآن اور محمدؐ کی طینت میں اتنا اتحاد ہے کہ اگر محمدؐ کتابوں میں ہوتے تو نام قرآن ہوتا۔ اور اگر قرآن انسانوں میں ہوتا تو نام محمدؐ ہوتا۔ (پرزور نعرے)

قرآن برابر ہے محمدؐ کے۔ محمدؐ برابر ہے قرآن کے۔ یعنی اب جو صفت قرآن کی وہ میرے محمدؐ کی بس قرآن لَارَیْب ہے۔ میرا محمدؐ بے عیب ہے۔ اس دنیا میں کتنے ہوں گے مصنفین؟ کسی نے دس لکھ دیں، کسی نے سو لکھ دیں، کہو قرآن فلاں کی کتاب جیسا؟ قرآن تو فلاں کتاب جیسا نہ ہو جائے اور محمدؐ تم جیسا ہو جائے یہ کیسا اسلام ہے؟ اب تک تو بات تھی کہ قرآن و محمدؐ برابر ہیں لیکن اب میں کیا کروں اگر اب اللہ اپنے محمدؐ کو اپنے قرآن سے بڑھا دے۔ اب میں فرق بتاؤں محمدؐ اور قرآن میں:

﴿ تِبْیَاناً لِّكُلِّ شَیْئٍ وَّ هُدًی وَّ رَحْمَةً وَّ بُشْریٰ لِلْمُسْلِمِیْنَ۔ ﴾

قرآن رحمت ہے للمسلمین ،اور محمدؐ۔

﴿وَ مَا اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعَالَمِيۡنَ۔﴾

رحمت ہے عالمین کیلئے ۔ (داد وتحسین)

اب تک گفتگو کتاب پہ تھی۔آیت کا دوسرا جز کتاب کے متعلق ہے۔اورآیت کا پہلا جزء صاحبِ کتاب کے متعلق ہے۔

﴿ يَوۡمَ نَبۡعَثُ فِىۡ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيۡداً عَلَيۡهِمۡ مِنۡ اَنۡفُسِهِمۡ وَ جِئۡنَا بِكَ شَهِيۡداً عَلٰى هٰؤُلَآءِ۔﴾

قیامت کے دن سارے نبیوں کو ان کی قوموں پر گواہ بنائیں گے اور حبیبؐ تجھے ان سارے نبیوں پر گواہ بنائیں گے تو جو فاصلہ امت میں ہے اور نبی میں ہے وہی فاصلہ نبیوں میں ہے۔اور محمدؐ میں ہے۔اس نے کتاب بھیجی میری مرضی سمجھو۔اس نے صاحبِ کتاب بھیجا اس کے کردار کو دیکھو۔میری مرضی سمجھو۔اوران دونوں کے مجموعے کا نام رکھا دین۔

دین تنہا قرآن نہیں ہے۔دین کردارِ محمدؐ کے ساتھ ہی مکمل ہوتا ہے۔گفتارِ محمدؐ کے ساتھ ہی مکمل ہوتا ہے۔کتاب اور صاحبِ کتاب مل کر دین کو تشکیل دیتے ہیں۔

اورایک مرتبہ سورہ روم نے آواز دی:

﴿ فَاَقِمۡ وَجۡهَكَ لِلدِّيۡنِ حَنِيۡفاً فِطۡرَةَ اللّٰهِ الَّتِىۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيۡهَا۔لَا تَبۡدِيۡلَ لِخَلۡقِ اللّٰهِ ذَالِكَ الدِّيۡنُ الۡقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَايَعۡلَمُوۡنَ۔﴾ (الروم:۳۰)

سنو! اپنے رخِ حیات کو متوجہ کرو دین کی طرف۔میرا دین سیدھا ہے۔

حنیفاً سیدھا ہے۔ جس میں کجی نہ ہو، اللہ کہہ رہا ہے کہ میرا دین حنیف ہے۔ سیدھا ہے اس پہ قائم رہو۔

﴿ذَالِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ﴾ میرا دین مضبوط ہے کمزور نہیں ہے۔ حنیف بھی ہے قیّم بھی ہے کتاب میں اپنے دین کا تعارف کرا رہا ہے۔ کیا سورہ الکہف کی پہلی آیت بھول گئے:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجاً۔﴾

حمد ہے اس اللہ کی جس نے (قرآن) کتاب کو نازل کیا۔ اور اس کتاب میں کوئی کجی نہیں رکھی۔ دین بھی سیدھا حنیف، کتاب بھی سیدھی، دین قیّم۔ ایک آیت میں قران کے دو لفظ حنیف ''سیدھا''، قیّم ''مضبوط''۔ کیا سورہ بقرہ کی وہ آیت بھول گئے؟

﴿اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ۔﴾ (البقرہ:۱۳۲)

اللہ نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مصطفیٰ بنایا ہے۔ مصطفیٰ کے معنی معلوم ہیں، چُنا ہوا۔

اور اب سورہ نور، چوبیسواں سورہ قرآن مجید کا۔

﴿دِيْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰى لَهُمْ۔﴾

سورہ نور میں کہا کہ: دین مرتضیٰ ہے۔ اور اب تین مقامات پر آیت آئی ہے۔ سورہ توبہ میں بھی، سورہ فتح میں بھی۔

﴿هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ۔﴾ (الفتح:۲۸)

یہ دین سیدھا ہے۔ مضبوط ہے۔ دین چنا ہوا ہے۔

اور اب سورہ زمر نے آواز دی۔ انتالیسواں سورہ قرآن مجید کا۔

﴿اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ۔﴾ (آیت:۳)

آ گاہ ہو جاؤ کہ اللہ کا دین خالص ہے۔اور اب سنو سورہ نحل نے آواز دی:

﴿ وَ لَهُ الدِّيْنُ وَاصِباً اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ۔﴾ (آیت:۵۲)

اللہ کا دین واصب ہے۔واصب جو مسلسل جائے۔واصب، جس میں رکاوٹ نہ ہو۔ واصب جو دائمی ہو۔واصب جس میں تسلسل ہو۔ واصب۔ جس میں دوام ہو۔واصب۔ جو نہ ٹوٹے نہ بکھرے۔ اسے کہتے ہیں واصب۔تو اللہ کا دین واصب ہے۔ مسلسل جانے والا ہے۔

پروردگار نے دین کی صفتیں بیان کر کے دین پہنچوا دیا۔دین کا ہادی پہنچوا دیا۔(صلواۃ)

دین سیدھا ہے۔ ہادی سیدھا ہوگا۔دین مضبوط، ہادی مضبوط ہوگا، دین مصطفیٰ ہے۔ ہادی مصطفیٰ کا ماننے والا ہوگا۔ دین مرتضیٰ ہے، ہادی مرتضیٰ سے محبت کرنے والا ہوگا۔دین حق ہے ہادی باطل کے رستے پر نہیں ہوگا۔دین خالص ہے ہادی کے عقیدے میں شرک کی ملاوٹ نہیں ہوگی۔اور اب آخری لفظ اللہ کا دین مسلسل ہے۔تو اگر مسلسل ہے تو ہادی بھی مسلسل جائے گا۔ (نعرۂ حیدری)

جب سب کے دروازے بند ہو جائیں تو اس کا دروازہ کھلتا ہے۔ پروردگار سرمایہ داروں کے دروازے بند ہو گئے۔ مالک صاحبان اقتدار بھی سو گئے۔ فقط ایک تیرا دروازہ ہے جو کھلا ہوا ہے۔تمہارا دھنوان آدھی رات کو نہیں دے گا۔ بار بار مانگو گے تو چڑ جائے گا۔تم میں اور اس میں فرق یہی ہے۔تم سے بار بار مانگو تو تم چڑ جاؤ اور اس سے بار بار نہ مانگا جائے تو چڑ جائے۔ کتنا رحمٰن ہے، کتنا رحیم ہے۔ کیا عجیب شفقتوں والا خدا ہے۔ کبھی ندامت کے اک قطرۂ اشک پر راضی ہو گیا۔کبھی ایک کلمہ توبہ پر راضی ہو گیا۔ کبھی اک سجدہ بے اختیار پہ راضی ہو گیا۔اسے سجدہ کر کے تو دیکھو، وہ تو پکار رہا ہے۔ کر

میں دینے کیلئے تیار ہوں۔ ہے کوئی لینے والا۔ بھئی یہی سبب ہے کہ کتاب میں پورا تسلسل ہے، ورق الٹتے جاؤ اور دیکھتے جاؤ، کہ انبیاؑ نے کس کس طریقے سے اپنے اللہ سے دعائیں مانگی ہیں۔

آدمؑ نے آواز دی پروردگار ہم سے غلطی ہوگئی۔ مغفرت کردے، رحم کردے، اگر تو نے مغفرت نہ کی تو ہم خسارے اٹھانے والوں میں ہوں گے۔ نوحؑ نے آواز دی۔ پروردگار اس زمین سے ایک ایک کافر کو چن کر ہلاک کردے۔ ابراہیمؑ نے مانگا پروردگار دکھلا دے مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے؟ زکریاؑ نے دُعا کی کہ پروردگار مجھے اکیلا نہ چھوڑنا اور تو بہترین وارث ہے۔ موسیٰؑ نے دعا مانگی پروردگار میری زبان کی گھتیوں کو کھول دے لوگ میری بات کو سمجھ سکیں۔ میرے خاندان سے میرے لیے اک وزیر بنادے۔ نام ''ہارون'' رشتہ میرا بھائی ہے، عیسیٰؑ نے دعا کی مالک آسمان سے مائدہ نازل کردے۔

اوراب میرا نبیؐ دعا مانگو۔ ''پروردگار'' میرے علم میں اضافہ فرما، نبیؐ دعا مانگو پروردگار میری مغفرت فرما، مجھ پر رحم کر بہترین رحم کرنے والا تُو ہے۔

حبیبؐ دعا مانگو! اچھا، سارے نبی تو اپنی مرضی سے دعا مانگ رہے تھے۔

﴿قُلْ وَ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَاناً نَّصِیْراً۔﴾

(۱۸۳:النساء)

حبیبؐ دعا مانگو میں دوں گا

مالک تو تو عالم الغیب ہے ناں، جانتا ہے تیرے نبیؐ کو ضرورت کیا ہے؟ دے دے! یہ دعا منگوانے کی ضرورت کیا ہے؟ تو کہا یہی تو بتانا تھا کہ یہ وہ حبیبؐ ہے جو اپنی مرضی سے دعا تک نہیں مانگتا۔ تو کیا دین کو تمہارے مرضی پہ چھوڑ کے جائے گا؟ اب

قیامت تک دین میں فقط محمدؐ کی مرضی چلے گی۔ محمدؐ نے جو حلال وحرام متعین کر دیے وہ قیامت تک جائیں گے۔

پروردگار مجھے سچائی کے ساتھ داخل کر دے۔

پروردگار مجھے سچائی کے ساتھ باہر نکال دے۔ مدینے میں داخلے کی دعا، مکے سے نکلنے کی دعا یعنی ہجرت کی دعا۔

﴿ وَاجۡعَلۡ لِّیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ سُلۡطَاناً نَّصِیۡراً۔﴾

اور پروردگار میرے لیے بنا دے اپنے پاس سے ایک طاقتور مدد کرنے والا۔

رسولؐ نے کہا: پروردگار مددگار دے دے۔ نبیؐ نے مدد نہیں مانگی۔ مددگار مانگا ہے۔

(نعرۂ حیدری)

بتلا دیا کہ غیر اللہ سے مدد لینا حکم خدا بھی ہے اور سنت رسول بھی۔ حبیبؐ نے کیا کہا مالک نصیر دے۔ موسیٰؑ نے کیا کہا مالک وزیر دے، موسیٰؑ کو وزیر ملے، محمدؐ کو نصیر ملے لیکن عجیب فرق کے ساتھ۔ موسیٰؑ نے کہا مالک میرے خاندان سے وزیر دے۔ تو موسیٰؑ کا وزیر آئے خاندان سے۔ محمدؐ نے دعا مانگی مالک اپنے پاس سے دے۔ موسیٰؑ کا وزیر موسیٰؑ کے خاندان سے ہے۔ محمدؐ کا وزیر اللہ کے پاس سے آئے۔ تو اب دیوارِ کعبہ پہ نگاہ جمائے رکھنا۔ میرے نبی کو نصیر ملا۔ نہ ملا ہوتا تو بستر پر لیٹتا کون؟

تو اب میرے نبیؐ کے پاس جو نصیر آیا وہ اللہ کے پاس سے آیا۔

عجیب بات ہے اُحد میں گھمسان کی جنگ ہے۔ ایک مسلمان سپاہی لڑتے لڑتے مشرکوں کے نرغے میں چلا گیا۔ تلوار ٹوٹ گئی۔ آدھی تلوار لیے ہوئے رسولؐ کے پاس آیا اور کہا یا رسولؐ اللہ! تلوار ٹوٹ گئی۔ رسولؐ نے نیچے دیکھا، کھجور کی ٹہنی پڑی تھی۔

رسولؐ نے اٹھائی اور دے دی۔ کچھ ایسی حالت ہوئی کہ مسلمانوں کی فتح شکست میں بدلنے لگی۔ تو ایسے عالم میں مشرکین نے حملہ کیا۔ میرے نبیؐ پر۔

اور علیؑ نے رسولؐ کے علاقے کے گرد پھر کر طواف کر کے رسولؐ کو بچانا شروع کیا۔ لڑتے لڑتے علیؑ کی تلوار ٹوٹ گئی۔ ابھی تو کچھ دیر پہلے ٹوٹی تھی تو کھجور کی ٹہنی اٹھا کر دے دی تھی۔ علیؑ نے کہا یا رسولؐ اللہ! تلوار ٹوٹ گئی۔ رسولؐ خاموش ہیں۔ اب میں ہاتھ جوڑ کر عرض کروں۔ یا رسولؐ اللہ! کوئی کھجور کی ٹہنی دے دیجئے اور اگر کھجور کی ٹہنی موجود نہ ہو تو آپ جو بھی دیں گے وہ تلوار بنے گی۔ اس لیے کہ آپ کا ارادہ مشیت ہے۔ اتنے میں ایک فرشتہ پکارتا ہوا آیا اور وہ پکار آپ کے ذہن میں موجود ہے:

لَافَتٰی اِلَّاعَلِیٌ لَا سَیۡفَ اِلَّا ذُوالۡفِقَار۔

لا کر ذوالفقار رسول کو دی اور کہا یہ اپنے بھائی علیؑ کو دے دیجئے۔ رسولؐ نے ذوالفقار لی اور علیؑ کے ہاتھ میں دے دی۔ اب میں سوچتا رہا کہ یہ انتظار کس بات کا کہ ذوالفقار آئے؟

بھئی اٹھائیں کھجور کی ٹہنی اور دے دیں۔ کہا نہیں اپنی طرف سے نہیں دُوں گا۔ اگر سپاہی اُدھر سے آیا ہے تو اسلحہ بھی اُدھر سے آئے گا۔ (نعرۂ حیدری)

اور سنو یہ کوئی اکیلا نصیر نہیں ہے۔ خاندانی نصیر ہے۔ یاد نہیں رہا اس کے باپ ابو طالبؑ نے شعر پڑھا تھا۔ اپنے بھتیجے محمدؐ کو مخاطب کر کے۔

وَ اللّٰہِ لَنۡ یَّصِلُوۡا اِلَیۡکَ بِجَمۡعِھِمۡ
حَتّٰی اُوَسَّدَ فِی التُّرَابِ دَفِیۡناً

خدا کی قسم یہ مشرکین اگر سو فیصد بھی جمع ہو جائیں تو یہ تجھ تک پہنچ نہیں سکتے۔

ابھی تو میں زندہ ہوں؟

یہ ہے توحید کی قوت..........خاندان ہے ناں، نصرت کرنے والوں کا۔

نصیر..........سمجھ میں آ گیا احد کے میدان میں۔ ابو طالبؑ اسکا باپ محمدؐ کی

حفاظت کرنے والا، حسینؑ اس کا بیٹا کیا خاندان ہے!!

28 رجب المرجب کو جب حسین ابنِ علیؑ مدینے سے رخصت ہوئے ہیں تو یہ

کہتے ہوئے رخصت ہوئے ناں،

کہ اگر میرے نانا کا دین، دینِ محمدؐ میرے قتل کے بغیر بچ نہیں سکتا تو تلوارو آؤ

مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر دو۔

بڑی عجیب رات گزاری ہے حسینؑ نے، ۲۸ رجب کی رات۔

جب طے ہو گیا ناں کہ اب مدینہ چھوڑنا ہے تو ابوالفضل العباسؑ کے شانے پر

ہاتھ رکھ کر کہا! بھیا اب شہر رہنے کے قابل نہیں رہا۔ سامانِ سفر کی تیاری کرو۔

ادھر عباسؑ سامان کی تیاری میں مصروف ہوئے اور ادھر حسینؑ اپنے بیت الشرف میں آئے۔ نصفِ شب تک عبادت میں مشغول رہے۔ راوی کہتا ہے۔ کہ آدھی رات کو باہر نکلے، پہلے نانا کی قبر مقدس پر گئے۔ دونوں ہاتھ نانا کی قبر پر رکھ کر کہا کہ نانا! آپ پر میرا سلام۔ اوراس کے بعد تاریخ کا وہ مشہور جملہ کہا کہ اے اللہ یہ تیرے نبیؐ کی قبر ہے۔ اور میں تیرے اس نبیؐ کی بیٹی کا بیٹا ہوں۔ مالک تیرے علم میں ہے کہ میرے ساتھ کیا واقعہ پیش آ رہا ہے۔ پروردگار اس پورے عمل میں جو میں اب کرنے والا ہوں مجھ سے وہ کام انجام دلوا جس میں تیری رضا بھی ہو، تیرے رسولؐ کی بھی رضا ہو۔ ایک جملے میں حسینؑ کے اقدامِ کربلا کا پورا منصوبہ ہے۔ کہ جو ہوگا وہ رضائے الٰہی

کے مطابق ہوگا اور رضائے محمدؐ کے مطابق ہوگا۔

یہ کہہ کر حسینؑ نے گریہ شروع کیا۔ روتے روتے آنکھ لگ گئی۔ نانا کو خواب میں دیکھا۔ ایک مرتبہ رسولؐ نے حسینؑ کو سینے سے لگایا کہا نانا مجھے اپنے پاس بلا لیجئے۔ کہا بیٹا اب وہ وقت آ رہا ہے۔

مقتل لکھتا ہے کہ جب رسولؐ کی قبر مطہر پر جا رہے تھے تو ایسے تھم تھم کے قدم اٹھا رہے تھے جیسے کوئی کوہِ وقار جا رہا ہو۔ جب بھائی کی قبر پر گئے تو جما جما کے قدم اٹھایا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے کوئی زمین و آسمان کا شہزادہ جا رہا ہو۔ اور جب بھائی سے رخصت ہوئے اور چلے ماں کی قبر کی طرف تو ایسے دوڑے جیسے چھوٹا بچہ اپنی ماں کی گود کیطرف دوڑتا ہے۔

ماں کی قبر مطہر پر آئے۔ دونوں ہاتھ فاطمۃ الزہراؑ کی قبر پر رکھے اور کہا۔ اماں آپ کو میرا اسلام پہنچے۔ راوی کہتا ہے کہ ایک مرتبہ قبر سے آواز آئی۔ اے ماں کے پردیسی بیٹے تجھے بھی میرا اسلام ہو۔ حسینؑ رخصت ہوئے۔ صبح ہوئی۔ سامانِ سفر تیار ہوا۔

۲۸ رجب کو چلے، چلنے کی شان یاد ہے ناں۔ رسولؐ کا نواسہ ہے۔ رسولؐ کا شہر ہے مدینہ۔ اور رسولؐ کا نواسہ اس شہر کو چھوڑ کر جا رہا ہے۔ بڑا ہجوم ہے۔ بڑی دور دور سے لوگ آئے ہوئے ہیں۔ یہ دیکھنے کیلئے کہ نبیؐ کا نواسہ نبیؐ کے شہر کو چھوڑ کر کیسے جاتا ہے۔

سامانِ سفر تیار ہوا۔ سیدانیاں ناقوں پر بیٹھیں۔ ناقے آگے بڑھے۔ جب پورا قافلہ تیار ہو چکا۔ حسین ابنِ علیؑ اپنے ذوالجناح کے قریب آئے، ذوالجناح پہ سوار ہوئے، گھوڑے کو ایڑ لگانا ہی چاہتے تھے کہ ایک مرتبہ ابوالفضل العباسؑ قریب آئے۔ کہا مولا! اگر مصلحت ہو تو کچھ دیر کیلئے رک جائیں اور گھوڑے سے نیچے آ جائیں۔ کہا عباسؑ

ابھی تو ہم پشتِ ذوالجناح پہ بلند ہوئے ہیں۔ یہ آخر بات کیا ہے؟ کہا مولا! بات یہ ہے کہ بنی ہاشم کی عورتیں آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہیں۔ کہا! بنی ہاشم کی عورتوں کو بلاؤ۔ حسینؑ ذوالجناح سے اترے، بنی ہاشم کی عورتوں نے آکر گھیر لیا۔ کہا کیا بات ہے؟ بنی ہاشم کی عورتوں نے کہا! کہ مولا ہم یہ تو نہیں کہتیں کہ آپ نہ جایئے۔ ٹھیک ہے آپ نے طے کیا ہے تو آپ جائیں۔ اچھا ہم یہ بھی نہیں کہتیں کہ زینبؑ واُم کلثومؑ کو چھوڑ جائیں، مولا آپ لے جارہے ہیں تو لے جائیں۔ مگر مولا ایک خواہش ہے اور وہ خواہش یہ کہ ہم دورویا قطار لگا کر کھڑی ہو جائیں اور شہزادی زینبؑ کی سواری ہمارے درمیان سے گزر جائے۔

بھئی کوفہ وشام کی سواری یاد آئی۔

۲۸ رجب المرجب کو قافلہ چلا۔ ۳ شعبان کو حسینؑ وارِدِ مکہ ہوئے۔ ۸ ذوالحج کو حسینؑ نے حج کو عمرے میں بدلا اور کربلا کی طرف سفر اختیار کیا۔ ۲ محرم الحرام کو حسینؑ کے ذوالجناح نے چلنے سے انکار کیا۔

حسینؑ نے سواریاں بدلی ہیں۔ اس میدان میں آنے کے بعد اور جب کسی بھی سواری نے حرکت نہیں کی تو ایک مرتبہ اہلِ قریہ کو بلا کر پوچھا کہ بتاؤ اس گاؤں کا نام کیا ہے؟ کسی نے کچھ بتایا کسی نے کچھ، ایک بوڑھے نے آگے بڑھ کر کہا کہ مولا ہم تو صدیوں سے اس جگہ پر آباد ہیں اور ہمارے بزرگوں کی تاریخ ہے کہ اس زمین نے کبھی کسی نبی اور وصیٔ نبی کا ساتھ نہیں دیا۔ مولا! ہم پسند نہیں کرتے کہ آپ اس مقام پر قیام کریں۔ جتنی جلد ممکن ہو اس مقام سے نکل جائیں۔ کہا لیکن اس کا نام تو بتادیں۔ اس نے آواز دی۔

کربلا، مولا اس کا نام کربلا ہے۔

یہ سننا تھا کہ حسینؑ نے بے اختیار کہا:

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

خدا کی قسم یہ کرب وابتلا کی منزل ہے۔ یہاں ہماری سواریاں ٹھہریں گی۔ یہاں ہمارے بچوں پر پانی بند کیا جائے گا۔ یہاں ہمارے جوان ذبح کردیئے جائیں گے۔ یہاں ہماری قبریں بنادیں جائیں گی۔ یہاں ہماری سیدانیاں اسیر کرلی جائیں گی۔

۲ محرم کو کربلا کے میدان میں خیمے لگے۔ تیسری محرم سے فوجیں آنا شروع ہوئیں۔ چوتھی محرم کو پسرِ سعد کا لشکر آیا۔ ساتویں محرم کو حسینؑ اور حسینؑ کے بچوں پر پانی بند کردیا گیا۔ اب حسینؑ کے بچے ہیں اور **اَلْعَطَش، اَلْعَطَش** کی آوازیں ہیں۔

آٹھویں محرم گزری، نویں محرم کو حسینؑ ابن علیؑ کے پورے لشکر کو فوجوں نے گھیر لیا۔ عاشور کی شب گزری۔ سفیدہ نمودار ہوا۔ اکبرؑ نے لہجہ محمدؐ میں اذان دی۔ تیر آئے۔ حسینؑ کے آدھے دوست شہید ہوگئے۔ اور اس کے بعد ایک گیا (شہید ہوا)۔ حسینؑ کو پکارا۔ حسینؑ لاشہ لے کے آئے دوسرا گیا۔ شہید ہوا۔ حسینؑ کو پکارا۔ حسینؑ پھر گئے اور لاشہ لائے۔ اصحابؓ گئے، انصار گئے، عزیز گئے اور اب ایک مرتبہ وہ سامنے آیا جو فوج کا علمبردار تھا۔

مولا! مجھے جنگ کی اجازت ہے؟ کہا نہیں۔ البتہ پانی لانے کی اجازت ہے۔ وہ علمبردار میدان میں آیا، پانی بھرا، چلا گرز لگا، زمین پہ آیا اور وہ حسینؑ جو صبح سے لے کر شام تک لاشے لاتے رہے۔ عاشور کے دن حسینؑ ایسے لڑے کہ لوگ عاشور کے بعد خیبر کے تذکرے کو بھول گئے۔

لکھا ہے تاریخ لکھنے والوں نے کہ جب کوئی میدان سے پکارتا تھا کہ مولا میری مدد کو پہنچے تو حسینؑ اپنے گھوڑے کو بھگاتے ہوئے جاتے تھے اور جھک کر اس شہید کے لاشے کو بائیں ہاتھ سے اٹھاتے تھے۔ اور دائیں ہاتھ سے گھوڑے کو اشارہ کرکے خیام تک اس لاشے کو رکھ دیا کرتے تھے۔ اور یزید کی فوج کے سپاہی رکابوں پہ زور دے کر کھڑے ہوتے تھے اور حسینؑ کی شان کو دیکھا کرتے تھے۔

یہ اس وقت کی شان تھی جب عباسؑ نے نہیں پکارا تھا۔ جب عباسؑ نے پکارا تو ایک مرتبہ دونوں ہاتھ کمر پہ رکھے۔ عباسؑ گئے۔ میرے مولا اکیلا ہوا اور اب میرے مولا نے آواز دی:

هَلْ مِنْ مُغِيْثٍ يُغِيْثُنَا !

هَلْ مِنْ نَاصِرٍ يَّنْصُرُنَا !

ہے کوئی میری مدد کو آنے والا! بھئی کوئی نہ آیا۔ مگر جھولے سے ایک بے شیر زمین پر آ گیا۔

بے شیر کو میدان میں لائے چھ مہینے کا بچہ۔ بھئی جھگڑا میرا آپ کے ساتھ ہو سکتا ہے لیکن میرے چھ مہینے کے بچے کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔

چھ مہینے کا بچہ ہے حسینؑ کے ہاتھ پر اور تیر ظلم سے سیراب ہوا۔ حسینؑ لائے، دفن کیا اور اب ایک مرتبہ خیمے کے قریب آئے کہا۔ فضہ، صندوق کو کھول میرا پرانا لباس لے آ۔ لیکن دیکھ فضہ، زینبؑ کو خبر نہ ہونے پائے۔ فضہ گئی۔ صندوق کھولا۔ ایک پرانا پھٹا ہوا لباس لے کے دامن میں چھپا کر چلی۔ شہزادی زینبؑ کی نگاہ پڑ گئی۔ کہا فضہ تیرے دامن میں کیا ہے؟ فضہ خاموش ہے۔ ایک مرتبہ جلال کے عالم میں کہا۔ میری ماں

کے حق کا واسطہ۔ بتلادے تیرے دامن میں کیا ہے؟ حسینؑ نے لباس مانگا ہے۔ کہا لباس نہیں مانگا۔ میرے بھائی نے کفن مانگا ہے۔

لباس پہنا۔ ذوالجناح پہ سوار ہوئے سکینہؑ سے رخصت ہوئے۔ یاد ہے نان، سکینہؑ کو بڑی دیر تک گود میں لے کر پیار کرتے رہے۔ اور جب بہت دیر باتیں کر لیں تو سکینہؑ سے کہنے لگے۔ سکینہؑ مجھے اب اجازت دو۔ شاید میں تمہارے لیے پانی لاؤں۔ بس یہ سننا تھا کہ بچی نے باپ کے دونوں شانے پکڑ لیے۔ اور کہا: بابا! چچا عباسؑ بھی یہی کہہ کر گئے تھے۔

حسینؑ میدان میں آئے۔ میدان میں آنے کے بعد جنگ کی۔ فوجیں دور دور بھاگ گئیں۔ ایک مرتبہ آواز آئی:

﴿ يَـاأَيَّتُهَـا الـنَّـفْـسُ الْـمُـطْـمَـئِنَّةُ ارْجِعِىْ اِلٰى رَبِّكَ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۔﴾

پس یہ سننا تھا کہ حسینؑ نے تلوار کو نیام میں رکھا۔

"رِضـاً بِـقَضَائِهٖ وَ تَسْلِيْماً لِاَمْرِهٖ" کہہ کر سر کو جھکا کر ذوالجناح پر بیٹھ گئے۔ بھاگی ہوئی فوجیں پلٹیں۔ کہیں سے تلواریں آئیں۔ کہیں سے نیزے آئے۔ کہیں سے تیر آئے۔ کہیں سے پتھر آئے۔ میرا مولا زخمی ہوگیا۔ سر زخمی، گلا زخمی، سینہ زخمی، شانے زخمی۔ ایک مرتبہ ذوالجناح نے حسینؑ کو زمین پر اتارا۔ جیسے ہی حسینؑ زمین پر تشریف لائے۔ فوجِ یزید میں فتح کے نقارے بجنے لگے۔ جب شور کی آواز پیدا ہوئی تو ایک مرتبہ علیؑ کی بڑی بیٹی زینبؑ نے حسینؑ کے بیٹے سید سجادؑ کو جگایا۔ جو غش کے عالم میں تھے۔ کہ بیٹے اٹھو، ذرا دیکھو باہر یہ شور کیسا ہے؟ سجادؑ اٹھے، خیمے کا پردہ اٹھایا۔ ایک مرتبہ نوکِ نیزہ پر نگاہ پڑی۔ کہا بابا میرا اسلام۔

حسینؑ شہید ہو گئے۔ کربلا کے میدان میں میرا امام شہید ہو گیا۔

ایک مرتبہ سردار لشکر نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اب سوار اپنے گھوڑوں کی نعل بندی کریں۔ لاشوں کو پامال کیا جائے گا۔

حمید ابن مسلم کہتا ہے؛ (یہ فوج یزید کا رپورٹر ہے) وہ کہتا ہے میں دنیا کی ہر بات کو بھول سکتا ہوں۔ علیؑ کی بیٹی زینبؑ کو نہیں بھول سکتا۔ میں نے دیکھا کہ حسینؑ کے لاشے پہ گھوڑے دوڑ رہے تھے اور بی بیؑ اپنے بالوں کو بکھرائے ہوئے مدینے کی طرف رخ کر کے کہہ رہی تھی۔ نانا آپ کے جنازے پہ فرشتوں نے نماز پڑھی۔ اور یہ آپ کا بیٹا حسینؑ..............!

کربلا کے میدان میں شامِ غریباں آ گئی۔

عزیزو! یہ فقط غریبوں کی شام نہیں ہے۔ یہ بیواؤں کی شام ہے۔ یہ لاوارث بچوں کی شام ہے۔ یہ کچلے ہوئے لاشوں کی شام ہے۔ یہ جلے ہوئے خیموں کی شام ہے۔ یہ برہنہ سر سیدانیوں کی شام ہے۔ جلے ہوئے خیموں کے درمیان، بچے لیٹے ہوئے ہیں۔ بیبیاں سسک رہی ہیں۔ کہیں سے کسی سسکی کی آواز۔ کہیں سے رونے کی آواز، کہیں سے آہ آہ کی آواز اور ان آوازوں میں میرے بیمار امام کی آواز۔ اللہ تیرا شکر ہے۔

ایسے میں جب بچے سو رہے تھے تو دو بہنیں تھیں ناں، زینبؑ، ام کلثومؑ

زینبؑ نے کہا۔ بہن ذرا بچوں کو شمار کر لو۔ سب تھے اچھا وہ بچے جو نہیں تھے ان کے کچلے ہوئے لاشے بھی مل گئے۔ ایک بچی نہیں تھی۔ کہا بہن اُم کلثومؑ، سکینہؑ تمہاری طرف تو نہیں ہے؟ کہا نہیں بہن۔ میری طرف نہیں ہے۔ دونوں بہنیں سکینہؑ کو پکارتی ہوئی چلیں۔ سکینہؑ، سکینہؑ پکارتی ہوئی چلیں۔ کہیں میری آواز سنو تو لبیک کہو۔ راوی کہتا

ہے کہ جب بیبیاں پہنچیں ہیں حسینؑ کے لاشے پر تو بچی حسینؑ کے قریب لیٹی ہوئی تھی۔

اختلاف ہے مقتل میں کہ کہاں لیٹی ہوئی تھی۔ لیکن اتنا جانتا ہوں کہ بچی باپ کے سینے پر سونے کی عادی تھی۔ جب گوشوارے نوچے گئے، جب کرتے کا دامن جل چکا ، جب طمانچے کھا چکی۔ کربلا کے بن میں شام ہوگئی۔ تو بھوکی پیاسی سکینہؑ چلی، باپ کے سینے پر سونے کیلئے۔ جب مقتل میں آئی تو سینے پر اتنے تیر تھے۔

شہزادی زینبؑ نے بچی کو اٹھایا۔ جلے ہوئے خیموں میں لائی۔ بچی کو لٹا دیا۔ اب پانی کہیں سے بھی آیا ہو جب پانی آیا تو شہزادی نے ایک کوزۂ آب بھرا۔ سکینہؑ کا شانہ ہلایا کہا بی بی سکینہؑ اٹھو۔ پانی آ گیا۔ بچی آنکھیں ملتی ہوئی اٹھی۔ کہا پھوپھی اماں پہلے آپ پی لیں۔ کہا بچی نے پہلے تو پی لے۔ شہزادی نے کہا بیٹی رسمِ دنیا یہ ہے کہ جو سب سے چھوٹا ہو وہ پہلے پانی پیئے۔ بس یہ سننا تھا کہ سکینہؑ نے کوزہ ہاتھ میں لیا۔ جلے ہوئے خیموں سے باہر چلی۔ بی بی کہاں جا رہی ہو؟ تو رو کے کہا۔ پھوپھی اماں۔ میرا اصغرؑ مجھ سے بھی چھوٹا ہے۔

اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْقَوْمِ الظّٰالِمِیْنَ۔

☆☆☆

الانسان

(علامہ طالب جوہری)

﴿ هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَان حِیْنٌ مِنَ الدَّهْرِ لَمْ یَكُنْ شَیْئاً
مَذْكُوراً۔ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ اَمْشَاج نَبْتَلِیْهِ
فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعاً بَصِیْراً۔ اِنَّا هَدَیْنٰهُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاكِراً
وَّ اِمَّا كَفُوْراً۔ ﴾ (صلواۃ)

عزیزانِ محترم! اس متبرک اور مقدس اجتماع کیلئے میں نے سرنامۂ کلام میں سورہ دھر کی ابتدائی تین آیتوں کی تلاوت کا شرف حاصل کیا۔ یہ سورہ کہ جس کی تین آیتیں آپ کی خدمت میں پیش کی گئیں، سورہ انسان بھی کہلاتا ہے۔ سورہ ھل اتی بھی کہلاتا ہے۔ سورہ دھر بھی کہلاتا ہے۔ اور یہ تینوں نام سورہ کی پہلی آیت میں ذکر کئے گئے

﴿هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَان حِیْنٌ مِنَ الدَّهْرِ ﴾

کیا انسان پر کوئی ایسا زمانہ نہیں گزرا کہ

﴿ لَمْ یَكُنْ شَیْئاً مَذْكُوراً ﴾

وہ کوئی قابلِ ذکر شئے نہیں تھا۔ قرآنِ مجید ذہنِ انسانی میں سوال پیدا کر رہا ہے۔ کیا انسانوں پر کوئی ایسا زمانہ نہیں گزرا کہ جب یہ انسان قابلِ ذکر نہیں تھے۔

﴿اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ اَمْشَاج۔﴾

پھر ہم نے ان انسانوں کو خلق کیا آبِ مخلوط سے مادۂ حیات سے۔

﴿نَبۡتَلِیۡهِ﴾ اُنکی خلقت کا مقصد یہ تھا۔ کہ ہم انسانوں کا امتحان لینا چاہتے تھے۔

﴿جَعَلۡنٰهُ سَمِیۡعاً بَصِیۡراً﴾ تو ہم نے انسان کو قوتِ سماعت بھی عطا کی۔ اور قوتِ بصارت بھی عطا کی۔ جب یہ دونوں طاقتیں ہم نے دے دیں۔ تو ﴿اِنَّا هَدَیۡنٰهُ السَّبِیۡلَ۔﴾ اپنے راستے کی طرف خود ہم نے ہدایت کی۔ ﴿اِمَّا شَاکِراً وَّ اِمَّا کَفُوۡراً۔﴾ ہدایت ہمارا فرض ہے۔ قبول کرنا یا رد کرنا تمہاری مرضی ہے۔ عربی زبان میں زمانے کے لئے بہت سے الفاظ ہیں۔ دہر بھی ہے۔ عصر بھی ہے۔ وقت بھی ہے۔ زمان بھی ہے۔ اور بہت سے الفاظ ہیں وقت کے لئے۔ اور قرآن نے اتنی اہمیت دی ہے وقت کو، کہ جب گواہ بنایا ہے۔ نقصان اور نفعے کا۔ تو کسی اور کو نہیں بنایا۔ زمانے کو بنایا ہے۔ پڑھو قرآنِ حکیم۔

بسم اللهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم۔

﴿وَ الۡعَصۡرِ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ اِلَّا الَّذِیۡنَ آمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ وَ تَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ۔﴾

قسم ہے گزرے ہوئے زمانے کی۔ زمانہ گواہ ہے کہ کون نفع میں ہے۔ کون نقصان میں ہے۔ جب تمہاری عمر کی کشتی فنا کے گھاٹ پر جانے لگ جائے۔ تو اس وقت سوچنا۔ کیا کھویا؟ کیا پایا؟ بہت بڑا بین الاقوامی فلسفیانہ مسئلہ ہے۔ زمانے کا مسئلہ ہے۔ تو نفع اور نقصان پر زمانے کو گواہ بنایا۔ اور اب اللہ نے اپنے وجود پر گفتگو کی۔

کیا تمہیں یہ نہیں معلوم کہ ایک زمانہ گزر گیا۔ ایسا زمانہ کہ جب تم قابلِ ذکر نہیں تھے۔ تو اب خدا ہے یا نہیں، چھوڑو۔ اپنی بات کرو۔ تم ہمیشہ سے ہو یا ہمیشہ سے نہیں

ہو۔ اگر ہمیشہ سے ہو تو پیدا کیسے ہوئے۔ تو اگر ہمیشہ سے نہیں ہو تو خالق کو مانتے کیوں نہیں؟

اب میں سمجھا کہ قرآنِ مجید نے انسانی فطرت کی گہرائیوں میں ڈوب کر سوال کیا۔ تاکہ دنیا کا بڑے سے بڑا دانشور بھی۔ اور بڑے سے بڑا فلسفی بھی یہ سوچنے پر مجبور ہو جائے۔ کہ ہم ہمیشہ سے تو نہیں ہیں۔ جب نہیں ہیں تو آئے ہیں۔ جب آئے ہیں تو کوئی لانے والا ہے۔ ایسا لانے والا جو مادۂ حیات سے بنا رہا ہے۔

﴿اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ۔﴾

ہم نے مادۂ حیات سے تمہیں خلق کیا۔ ہم یہ چاہتے تھے کہ اُن کا امتحان لیں۔ امتحان کا رزلٹ کہاں ہوگا؟ قیامت میں ﴿جَعَلْنٰهُ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا﴾ ہم نے انسان کو سُننے والا بھی بنایا۔ ہم نے انسان کو دیکھنے والا بھی بنایا۔

عزیزانِ محترم! اب تدبیرِ قرآن یہ ہے کہ انسان کو خدا نے پانچ طاقتیں عطا کیں، آنکھ کی طاقت، کان کی طاقت، چکھنے کی طاقت، بولنے کی طاقت، چھونے کی طاقت، آنکھ کالے کو کالا دیکھے گی، نیلے کو نیلا دیکھے گی، ہرے کو ہرا دیکھے گی، پیلے کو پیلا دیکھے گی۔ اب یہ ممکن نہیں کہ آنکھ کالے کو نیلا دیکھ لے اور نیلے کو پیلا دیکھ لے کتنا مجبور بنایا تمہاری آنکھ کو۔ اب تمہارا کان شیریں آواز کو شیریں آواز ہی سُنے گا۔ کرخت آواز کو کرخت ہی سُنے گا کتنا مجبور بنایا تمہارے کان کو۔ اب تمہاری زبان میٹھے کو میٹھا ہی محسوس کرے گی، کڑوے کو کڑوا محسوس کرے گی۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ میٹھے کو کڑوا محسوس کرے کتنی مجبور ہے تمہاری زبان۔ اب دو کردار دیئے خالق نے تمہارے اعضاء و جوارح کو۔

ایک میں مجبور رکھا کہ آنکھ کالے کو کالا دیکھے۔ نیلے کو نیلا دیکھے۔ پیلے کو پیلا

دیکھے ہرے کو ہرا دیکھے۔ کان شیریں آواز کو، شیریں آواز ہی سُنے اور کرخت آواز کو کرخت آواز ہی سُنے لیکن اسی کان کو آزاد کر دیا کہ چاہے اچھی بات سُنے یا بُری بات سُنے اور چاہے غیبت سُنے۔ لیکن زبان کو مجبور کیا کہ میٹھے کو میٹھا محسوس کرے کڑوے کو کڑوا محسوس کرے اور اب اُسی زبان کو آزاد بھی کر دیا کہ چاہے سچ بولے چاہے جھوٹ بولے تو جہاں جبر اختیار کے ساتھ آ جائے اُسی کا نام انسانیت ہے۔

دیکھا انسان میں مکمل اختیار ہو گا۔ فلسفے کی کتابوں میں انسان مجبور ہے۔ لیکن میں کیا کروں۔ خدا کی قسم اس لئے کہ میرے سامنے تاریخ قرآن کے دو جُملے ہیں۔ کہ سجدۂ آدمؑ سے انکار والا چلا ہے ناں۔ سورہ اعراف ساتواں سورۂ قرآن:

﴿ قَالَ فَبِمَا اَغْوَيْتَنِىْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ۔ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَ عَنْ اَيْمَانِهِمْ وَ عَنْ شَمَائِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ۔ ﴾

پروردگار! تو نے مجھے گمراہ کر دیا۔ اب میں جا رہا ہوں۔ تیری دنیا میں تیری صراطِ مستقیم پہ بیٹھ جاؤں گا اور پوری انسانیت کو گمراہ کروں گا۔ سامنے سے بھی حملہ کروں گا۔ پیچھے سے بھی حملہ کروں گا۔ داہنے سے بھی حملہ کروں گا۔ بائیں سے بھی حملہ کروں گا۔ پروردگار! تو اکثریت کو شکر گزار نہیں پائے گا۔ اب میں امتِ مسلمہ کو پیغام دے رہا ہوں۔ آپ کے واسطے سے کہ شیطان حملہ کرے گا۔ انسان پر سامنے سے بھی۔ پیچھے سے بھی۔ داہنے سے بھی۔ بائیں سے بھی۔ چار جہتوں سے حملہ کرے گا۔ تمہارا سامنا محفوظ نہیں ہے۔ تمہاری پشت محفوظ نہیں ہے۔ تمہاری دائیں اور بائیں طرف محفوظ نہیں ہے۔ دوستو! عجیب بات ہے۔ چار جہتیں مشرق، مغرب، شمال، جنوب لیکن یاد رکھو! جہتیں

چار نہیں ہیں۔ جہتیں چھ ہیں، سامنے، پیچھے، دائیں، بائیں، اوپر، نیچے تو شیطان سامنے سے حملہ کرے گا، پیچھے سے حملہ کرے گا، دائیں سے حملہ کرے گا، بائیں سے حملہ کرے گا، اوپر سے حملہ نہیں کرے گا، نیچے سے حملہ نہیں کرے گا۔ کیوں؟ اس لیے کہ یہ دو جہتیں اللہ کی ہیں۔ بندہ اگر ہاتھ اُٹھا دے۔ تب شیطان کے حملے سے بچ جائے گا۔ یا سجدے میں سر رکھ دے۔ (نعرۂ حیدری)

بھائی اپنے سجدے کی قیمت پہچانو۔ اگر سجدے میں سر رکھ دیا تو شیطان کے حملے سے بچ جاؤ گے۔ سجدہ، قعود، پھر سجدہ، کمال ہے یعنی ہر رکعت میں دو سجدے، سجدہ کیا اُٹھ کے بیٹھے۔ پھر سجدہ کیا۔ یعنی سجدہ ہے۔ قعود ہے۔ پھر سجدہ ہے۔ بتلانا یہ تھا کہ مٹی سے آئے ہو۔ کچھ دیر دنیا میں رہو گے۔ پھر اسی مٹی میں واپس جاؤ گے۔

سورہ بنی اسرائیل سترھواں سورہ قرآن مجید کا:

﴿ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ آدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا۔ ﴾

ہم نے آدمؑ کے بیٹے کو عزت عطا کی۔ ہم نے آدمؑ کے بیٹے کو برتری عطا کی۔ ہم نے آدم کے بیٹوں کو فضیلت عطا کی۔ اس کو بحر و بَر میں چلنا سکھایا۔ طیب و طاہر رزق عطا کیا۔ اور اپنی مخلوق پر آدمؑ کے بیٹوں کو کرامت عطا کر دی۔ فضیلت عطا کر دی۔ درجات تم نہ معین کرنا۔ درجات مَیں معین کرتا ہوں۔ تم کون ہو اپنی حیثیت کو معین کرنے والے۔ تم کون ہو اپنی فضیلت کو بڑھانے والے۔ وہ جہاں رکھے وہیں رہو۔ اپنی حیثیت کو پہچانو۔ دوستو! نکلے دونوں، آدمؑ بھی جنت سے، ابلیس بھی نکلے جنت سے۔ لیکن حیثیتیں بدل گئیں۔ ایک کو رجیم بنا کے نکالا۔ ایک کو خلیفہ بنا کے نکالا۔

درجات معین کرنے والی اللہ کی ذات ہے۔ سورہ مومن نے آواز دی: چالیسواں سورہ ہے قرآن کا۔ اور اسے سورہ غافر کے نام سے بھی یاد کیا گیا ہے۔ دو نام ہیں اس سورہ کے۔ سورہ غافر، سورہ مومن۔ پندرھویں آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿رَفِيْعُ الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْشِ اَلْقِى الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ
عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ۔﴾

درجوں کو بلند کرنے والا فقط وہ ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ عرش کا مالک بھی وہی ہے۔ اپنے دو نام لیے، پروردگارِ عالم نے اس آیت میں کہ میں رفیع الدرجات ہوں۔ میں عرش کا مالک ہوں۔ عرش کائنات کی سب سے بڑی اونچائی کا نام ہے۔ کیا نام ہے؟ عرش، اور اس کا نام ہے تخت اب تخت کے کیا معنی ہوئے۔ یعنی بیٹھنے کی وہ جگہ جو سرکاری ہو۔ اس کا نام ہے عرش۔ اور وہ جگہ جو ذاتی ہو پرائیویٹ جگہ ہو، شخصی کاموں کے لیے، اس کا نام ہے فرش، اور کمال یہ ہے کہ پروردگارِ عالم نے زمین و آسمان میں دو جگہیں منتخب کیں۔ آسمانوں میں عرش ذاتی جگہ۔ زمین تخت ذاتی جگہ۔ آسمانوں میں اس نے اپنے لیے سرکاری مقام معین کیا۔ اس کا نام ہے عرش، اور زمین میں اس نے اپنے لیے ذاتی جگہ معین کی اس کا نام ہے۔ بیت اللہ۔ اللہ کا گھر۔ ذاتی جگہ۔

میرے دوستو! جہاں جہاں بھی بیٹھے ہو۔ کوئی انسان ایسا نہیں ہے کہ جس کی دو جگہیں نہ ہوں۔ ایک سرکاری ایک ذاتی۔ ذاتی جگہ، سوئے گا اپنے گھر میں، جاگے گا اپنے گھر میں، کھانا کھائے گا اپنے گھر میں، اس کے بچے پیدا ہونگے، اس کے گھر میں، کام کرے گا کرسی پر، ذاتی باتیں ہوں گی گھر کے اندر۔ اللہ جو کبھی نہ بیٹھے وہ آسمانوں میں اپنے لئے عرش معین کرے سرکاری جگہ۔ جو کبھی نہ سوئے وہ زمین میں اپنے لیے گھر

معین کرے ذاتی جگہ۔ کہا تم کو کیا مطلب یہ دونوں میری جگہیں ہیں۔ ایک سرکاری جو عرش ہے۔ ایک ذاتی جو گھر ہے۔ جب سرکاری کام ہوگا تو کسی کو عرش پہ بلاؤں گا۔ جب ذاتی کام ہوگا تو کسی کو گھر میں بلاؤں گا۔

درجے وہ بلند کرتا ہے۔ اب اس نے جمادات بنائے، نباتات بنائے، حیوانات بنائے، انسان بنایا۔ ان تینوں پر انسان کو فضیلت دی۔ بھائی عجیب کمال کی بات ہے کہ جانور کا بچہ پیدا ہوتے ہی اپنے پروں پر کھڑا ہو جائے، پرندے کا بچہ انڈے سے نکلتے ہی اپنے دانے کی تلاش میں گیا، مچھلی کا بچہ پیدا ہوتے ہی تیرنے لگا۔ کتنے مضبوط ہیں یہ بچے! اور جو اشرف المخلوقات ہے اس کا بچہ کتنا کمزور ہے، روئے تو غذا ملے اتنا کمزور، اگر چھوٹی سی چیونٹی بچے کو کاٹ لے تو وہ چیونٹی کو ہٹا نہیں سکتا۔ تو پروردگارِ عالم جانوروں کے بچے اتنے مضبوط اور جسے تو نے اشرف المخلوقات بنایا اس کے بچے اتنے کمزور۔ تو آواز قدرت آئی: مصلحت تھی کمزور بنانے کی، مصلحت یہ تھی کہ بچہ کمزور ہے اس کی محبت میں ممتا رُک جائے اور ممتا کو دیکھ کر باپ رُک جائے۔ اور یوں گھر بنے، گھر سے محلّہ بنے۔ تمہیں کمزور اس لیے بنایا کہ معاشرہ مضبوط ہو۔ اور اتنا مضبوط ہے کہ کائنات کی ہر شئے اس کے لیے، جاؤ سورہ نحل پڑھ کے دیکھ لینا۔ سورہ نحل میں ارشاد ہوا کہ

﴿هُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَ النَّهَارَ وَ الشَّمْسَ
وَ الْقَمَرَ وَ النُّجُوْمَ مُسَخَّرَاتٍ بِاَمْرِهٖ۔﴾

اللہ وہ ہے جس نے سورج کو مسخر کیا تمہارے لیے، چاند کو مسخر کیا تمہارے لیے، دن کو مسخر کیا تمہارے لیے، سورج کو مسخر کیا تمہارے لیے۔

﴿وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ﴾۔

یہ جتنے بیل بوٹے اگائے ہیں تمہارے لیے۔

﴿اَلَمْ تَرَىٰ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ﴾

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان وزمین کی ساری چیزوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا۔ کیا کمال کی بات ہے۔ کتنے کمزور تھے اور کتنے عظیم بن گئے۔ یعنی معلوم ہوا کہ مقصدِ تخلیقِ کائنات تم ہو، اور تم نے بھی کمال کر دیا۔ تم نے اپنے جہازوں سے سمندروں کے پانی کے سینے چاک کر دئے۔ تم نے زمان ومکاں کی طنابیں کھینچ دیں۔ تم نے اپنی چاند گاڑی چاند پہ اُتار دی۔ تمہارے پاؤں چاند کی سطح پر اپنے نقشِ قدم چھوڑ کے آ گئے۔ کیا کچھ تم نے نہیں کیا؟ تم مہینوں کے فاصلوں کو منٹوں میں طے کرتے ہو۔ لمحوں میں طے کرتے ہو۔ بہت بڑا تیر مارا ہے تم نے۔ ہوائی جہاز بنا لیے۔ سفینے بنا لیے۔ تمہارا خلائی جہاز مریخ کی طرف جا رہا ہے۔ یہ سب تسلیم۔ ذرا ایک مکھی تو بنا کے دکھاؤ۔

(نعرۂ حیدری)

چھوڑو تم کیا مکھی کو بناؤ گے۔ مکھی جو تمہارے دستر خوانِ نعمت سے ایک نعمت کا ذرّہ لے کے جائے اسے واپس لے کے دکھاؤ۔ چیلنج ہے قرآنِ مجید کا۔ تم بہت خوش ہو جاتے ہو۔ اگر صاحبِ منصب بن جاؤ۔ ارے اللہ اس وقت خوش ہوگا جب تم انسان بن کے دکھاؤ گے۔ (نعرۂ حیدری)

تو ساری کائنات کو بنایا تمہارے لیے اور تمہیں بنایا اپنے لیے۔ بنانے کا مقصد کیا ہے۔ ﴿اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ﴾۔ ھدایت میری ذمہ داری ہے۔ قبول کرنا تمہاری ذمہ داری ہے۔ دیکھو اشرف المخلوقات ہونا۔ تو اللہ نے ھدایت درختوں کی نہیں کی۔ پتھروں کی نہیں کی۔ جانوروں کی نہیں کی۔ ہدایت فقط عقل کی کی ہے۔ اب ھدایت کے

معنی سمجھئے۔ عقل کے دوڑتے گھوڑے کو لگام دینے کا نام ھدایت ہے۔ آدمؑ آئے عقلوں کی ھدایت کیلئے۔ نوحؑ آئے عقلوں کی ھدایت کیلئے۔ ابراہیمؑ آئے عقلوں کی ھدایت کیلئے۔ موسیٰؑ آئے عقلوں کی ھدایت کیلئے۔ عیسیٰؑ آئے عقلوں کی ھدایت کیلئے۔ آدمؑ اگر عقل کی ھدایت کریں گے تو اپنے زمانے کے سب سے بڑے عاقل ہوں گے یا نہیں۔ نوحؑ اپنے زمانے کے عاقل ہوں گے یا نہیں۔ ابراہیمؑ اپنے زمانے کے عاقل ہوں گے یا نہیں۔ موسیٰؑ اپنے زمانے کے عاقل ہوں گے یا نہیں۔ تو ہادی وہ ہو جو اپنے زمانے کی ساری عقلوں سے بلند ہو۔ اور میرا محمدؐ آدمؑ کا بھی ہادی ہے۔ نوحؑ کا بھی ہادی ہے۔ تو یوں کیوں نہ کہہ دوں کہ میرا محمدؐ وہ ہے جو ایک کم ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کا ہادی ہے۔ (نعرۂ حیدری)

سورہ آلِ عمران قرآن مجید کی تیسری سورہ اور آیت کا نشان ۸۰ ہے۔

﴿وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ۔﴾

ہم نے سارے نبیوں سے عہد لیا کہ ہم تجھے کتاب وحکمت دے کر بھیجیں گے۔ اور آخر میں ایک رسول آئے گا۔ اے نبیو! تم پر واجب ہے کہ تم اس پر ایمان بھی لاؤ گے۔ اور اس کی مدد بھی کرو گے۔ تو سارے نبیؑ میرے نبیؐ کے مومن ہیں۔ اور میرا نبی ان سب کا ہادی ہے۔ تو جو پوری کائنات کا ہادی ہو تو وہ کتنا بڑا ہادی ہوگا۔ وہ محمدؐ جو آدمؑ کا بھی ہادی۔ نوحؑ کا بھی ہادی۔ ابراہیمؑ کا بھی ہادی۔ موسیٰؑ کا بھی ہادی۔ عیسیٰؑ کا بھی ہادی۔ کتنا بڑا عقل مند ہوگا تو جو اتنا بڑا عقل مند ہو اس کے دماغ میں نہ غفلت جا سکتی ہے نہ نسیان آسکتا ہے۔ (نعرۂ حیدری)

اس لیے تو پروردگارِ عالم نے ہادی کو ہدایت کہا۔ سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا کہ

﴿اَنْ یَاتِیَنَّکُمْ مِنِّیْ هُدًی فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ
فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَاهُمْ یَحْزَنُوْنَ۔﴾

میری طرف سے تمہاری طرف ہدایتیں آتی رہیں گی۔ یہ نہیں کہا کہ ہادی آئے گا۔ نہیں ہدایت آئے گی۔ جو بھی آئے گا وہ مجسمہ ہدایت ہوگا۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ اس کی آدھی زندگی ہدایت ہو اور آدھی زندگی ہدایت نہ ہو۔ نہیں بلکہ ہر عمل ہدایت اگر جاگے تب بھی ہدایت، اگر جگائے تب بھی ہدایت، اگر سوئے تب بھی ہدایت، اگر سُلا دے تب بھی ہدایت۔ (نعرۂ حیدری)

وہ عین ہدایت ہے اس کی ہدایت کا وقت مقرر نہیں۔ کہ مسجد میں ہو تو ہدایت کرے گا، میدان میں ہو تو ہدایت نہیں کرے گا۔ ایسا نہیں ہے۔ ہادی کسی مرحلے پر فکر انداختہ نہیں ہوتا۔ جو جنگ بھی ہوئی میرا نبیؐ اس جنگ میں موجود تھا۔ اور ادھر سے طبلِ جنگ بجا جنگ کا آغاز ہوا۔ پیغمبر اکرمؐ کا ناقہ بڑھنے والا تھا۔ اتنے میں ایک عرب نے آگے بڑھ کے ناقے کو تھام لیا۔ اور کہنے لگا یارسول اللہؐ اَخْبِرْنِیْ عَنِ الدِّیْنِ کُلِّهٖ۔ اللہ کا رسول پورا دین بتلائیں۔ اب تم بتاؤ جنگ ہونے والی ہے۔ ناقہ بڑھنے والا ہے اور پوچھ رہا ہے کہ پورا دین بتلاؤ۔ اب پورا دین سمجھ میں آیا اس کی وسعت سمجھ میں آئی۔ دین میں عقائد بھی ہیں۔ دین میں اعمال بھی ہیں۔ دین میں نجی زندگی ہے۔ دین میں بین الاقوامی مسائل بھی ہیں۔ دین میں دستور بھی ہے۔ دین میں عدل بھی ہے دین میں احسان بھی ہے۔ دین میں اخوت بھی ہے۔ دین میں حق بھی ہے، دین میں قیامت بھی ہے۔ دین میں توحید بھی ہے اور یہ جو کہہ رہا ہے کہ پورا دین بتلائیں تو یہ کیا

پوچھنا چاہتا ہے؟ اور میرا محمدؐ وہ نہیں ہے جسے حالات زیر کریں ایک مرتبہ جیسے ہی اس نے کہا۔ یارسول اللہؐ اَخۡبِرۡنِیۡ عَنۡ دِیۡنِ کُلِّہٖ اللہ کے رسولؐ مجھے پورا دین بتلایئے۔ اب فرمایا پورا دین پوچھنا چاہتا ہے۔ اَطَعۡتُ اللّٰہَ وَ شَفِقِ الۡمَخۡلُوۡقِ ھُوَ دِیۡنٌ کُلُّہٗ۔ پورا دین یہ ہے کہ اس کی اطاعت کر۔ اور مخلوق سے شفقت کر۔ (نعرۂ حیدری)

ھادی حالات کی زد میں نہیں آتا۔ وہ میرا نبیؐ اور یہ میرا علیؑ۔ علیؑ آئے میدانِ جنگ میں۔ تلوار نکالی۔ ادھر سے کافر نے تلوار نکالی۔ جیسے ہی کافر نے تلوار نکالی تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ اب کافر تنہا ہو گیا۔ علیؑ خاموش کھڑے ہیں۔ اس نہتے کو کیا ماریں۔ آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں کہ علیؑ کی تلوار نہ نہتے کافر پہ نہ نہتے بزدل پہ اٹھتی ہے۔ اب کافر گھبرا گیا کہ علیؑ آئیں گے اور تلوار سے میری گردن کاٹ دیں گے۔ جب کچھ لمحے گزر گئے اور اس کے سر پر تلوار نہیں آئی تو اس نے سر اٹھایا۔ دیکھا کہ علیؑ تو اپنی جگہ کھڑے ہیں۔ اب کچھ ہمت ہوئی۔ کہا علیؑ تم تو بہت بڑے کریم ہو۔ تم تو خاندانی کریم ہو۔ اس لیے کہ علیؑ کو بھی پہچانتا تھا۔ علیؑ کے باپ کو بھی پہچانتا تھا۔ کہا علی اپنی تلوار مجھے دے دو۔ علیؑ نے تلوار پھینک دی۔ اُٹھالو۔ اور اب علیؑ نہتے۔ کافر کے پاس اب تلوار ہے ایک دفعہ اس نے تلوار لہرائی، کہا علیؑ اب تمہیں کون بچائے گا۔ مسکراتے ہوئے کہا کیا تو سمجھتا ہے کہ تلوار بچاتی ہے۔ کافر، پھر کون بچاتا ہے؟ کہا وہ بچانے والا ہے۔ ہر حال میں بچا سکتا ہے۔ کہا علیؑ اتنا اعتماد اس پر! کہا ہاں ہے علیؑ کو اعتماد! اس نے یہ کہہ کر تلوار پھینکی۔ اور قدموں پہ گر کر کہا۔ علیؑ میں تیرا بھی کلمہ پڑھتا ہوں۔ اور تیرے خالق کا بھی۔ (نعرۂ حیدری)

میرا ہادی وہ ہے جو نہتے ہاتھ بھی کفر کو ختم کردے۔ اب مجھے نہیں معلوم کہ اردو

کے اس صاحبِ قلب شاعر کی نگاہ میں کون تھا۔ لیکن شعر مجھے یاد ہے۔

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ

مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

یہ ہے سلسلہ ھدایت کہ میری طرف سے تمہاری طرف ھدایت آتی رہے گی۔ جو بھی اتباع کرے گا ہماری ھدایت کا اس پر نہ خوف ہوگا۔ نہ حزن ہوگا۔ اسی لیے تو سورہ اعراف نے آواز دی:

﴿اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَہٗ مَکْتُوْباً عِنْدَھُمْ فِی التَّوْرَاۃِ وَ الْاِنْجِیْلِ﴾

ساتواں سورہ ہے قرآن کا۔ آیت کا نشان ستاون ہے۔ مجھے اجازت دو تا کہ آیت مکمل کر دوں

﴿ یَاْمُرُھُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْھٰھُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ وَ یُحِلُّ لَھُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْھِمُ الْخَبَائِثَ وَ یَضَعُ عَنْھُمْ اِصْرَھُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْھِمْ فَالَّذِیْنَ آمَنُوْا بِہٖ وَ عَزَّرُوْہُ وَ نَصَرُوْہُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْ اُنْزِلَ مَعَہٗ اُولٰئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔﴾

کیا کمال کی آیت ہے۔ پوری پالیسی ہے پروردگارِ عالم کی۔ پہلے حصے کا ترجمہ بعد میں کروں گا۔ آخری حصے کا ترجمہ پہلے کروں گا۔ ﴿فَالَّذِیْنَ آمَنُوْا بِہٖ﴾ سنو ہدایت پانے والے کون ہیں وہ ہیں جو ایمان لائے محمدؐ پر ﴿وَ عَزَّرُوْہُ﴾ اور وہ ہیں جو ایمان لانے کے بعد اُس کی عزت کرتے رہے۔ اُنھیں ہٹا دو جو ایمان لانے کے بعد

عزت نہ کریں۔ تنہا ایمان لانا اور عزت کرنا بھی کافی نہیں وَنَصَرُوْہُ اور اُس کی مدد بھی کرو اور آخری شرط بھی سُنو:

﴿وَ اتَّبِعُوا النُّوْرَ الَّذِیْ اُنْزِلَ مَعَهٗ اُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔﴾

اور اُس وقت تک نجات نہیں دوں گا جب تک اُس نور کی بھی پیروی نہ کرو جو محمدؐ کے ساتھ اس دُنیا میں آیا۔ (نعرۂ حیدری)

اب دوسرے حصے کا ترجمہ سنو۔ یہ میرا نبیؐ وہ ہے جس کا تذکرہ قیامت تک لوگ توراۃ وانجیل میں پاتے رہیں گے۔ دیکھا صیغہ مضارع استعمال کیا، پاتے ہیں اور پاتے رہیں گے۔ توراۃ موسیٰ پر اُترنے والی کتاب، انجیل عیسیٰؑ پر اُترنے والی کتاب، یہ قرآن کا چیلنج ہے کہ میرے محمدؐ کا تذکرہ اِن دونوں کتابوں میں ملے گا۔ توراۃ میں بھی انجیل میں بھی۔ اگر اس آیت کو توڑنے کیلئے وہ اُمتیں زور لگا دیں تو یہ آیت کتنے خطرے میں آجائے گی۔ کہا نہیں مٹا سکتے۔ کیوں؟ اس لیے کہ

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔﴾

ذکر بھی ہم نے بھیجا ہے۔ حفاظت بھی ہم کریں گے۔ (کوئی اور نہیں)

(نعرۂ حیدری)

کیسے مٹاؤ گے میرے نبی کے تذکرے کو، توراۃ اور انجیل سے؟ اور کیسے مٹاؤ گے میرے نبی کے ساتھیوں کے تذکرے کو، توراۃ و انجیل سے؟ یہ سورہ اعراف تھی۔

اور اب سورہ فتح میں ارشاد ہوا:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ

رِضْوَاناً سِيْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذَالِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰةِ وَ مَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ كَزَارِعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِهٖ اَعْجَبَ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارُ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَّ اَجْراً عَظِيْماً ﴿

یاد رہے میرے نبیؐ کا تذکرہ قیامت تک تورات وانجیل میں رہے گا۔ کیا کمال کی آیت ہے۔ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور جو ان کے ساتھی ہیں۔ وہ کافروں پر بڑے سخت ہیں۔ اور آپس میں مہربان ہیں۔ تم نے کبھی رکوع میں دیکھے؟ کبھی سجدے میں دیکھے۔ کیا خاص رکوع ہے! کیا خاص سجدہ ہے۔ نامعلوم یہ کس رکوع کی طرف اشارہ ہے۔ یہ جو رکوع کے ساتھ کرتے رہے نماز میں۔ یہ جو رسول اللہؐ کے ساتھی ہیں جو تلاش میں رہتے ہیں کہ اللہ کی مرضی مل جائے۔ اب قرآن کہتا ہے: پہچان کرو کہ یہ ہیں کون؟ کثرت سجدہ سے ان کے چہرے پر نور رہتا ہے۔ یعنی سارے چہروں سے یہ چہرے الگ ہیں۔ ایسے چہرے جب مقابلے میں عیسائی آئے تو چہروں کو دیکھ کے ہٹ گئے۔

(نعرۂ حیدری)

کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ اگر یہ پہاڑوں کے ہٹنے کی دعا مانگیں تو پہاڑ اپنی جگہ چھوڑ دیں۔ ہم نے ان کے ساتھیوں کا تذکرہ تورات وانجیل میں لکھا ہے۔ اگر لکھا ہوا نہ ہوتا تو آنے والے عیسائی پہچانتے کیسے کہ یہ کون ہیں؟ (نعرۂ حیدری)

ہمارے نبیؐ کا تذکرہ قیامت تک رہے گا اور جو ان کے ساتھ ہیں ہم نے ان کی مثالیں تورات وانجیل میں لکھی ہیں۔ اسی لیے سورہ توبہ میں ارشاد ہوا ہے کہ

﴿إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةُ يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ وَعْداً عَلَيْهِ حَقّاً فِى التَّوْرٰةِ وَ الْاِنْجِيْلِ وَ الْقُرْآن وَ مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ وَ الَّذِىْ بَايَعْتُمْ بِهٖ وَ ذَالِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔﴾

اللہ نے کچھ لوگوں کی جان و مال کے بدلے میں جنت دے دی یہ وہ مومن ہیں جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں یا قتل کر دیتے ہیں یا قتل ہو جاتے ہیں۔ یہ ہمارا پکا وعدہ ہے جو ہم نے تورات میں بھی لکھا اور انجیل میں بھی لکھا اور قرآن میں بھی لکھا اور خدا سے بڑھ کر وعدہ کو پورا کرنے والا کوئی نہیں ہے اور جو سودا انہوں نے خدا سے کیا ہے۔ خوشیاں مناؤ یہی تو کامیابی کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ کیا تم بھول گئے صحیفہ یرمیا کو، آج سے اڑھائی ہزار سال پرانا صحیفہ۔ اب پروردگارِ عالم کا عجیب وغریب جملہ ہے۔ اور مرے اس جملہ کو اپنے ذہن میں سنبھال کر رکھنا۔ چالیسواں باب صحیفہ یرمیا کو اس کی دسویں آیت پروردگارِ عالم نے شمالی علاقہ میں فرات کے کنارے اپنے لیے ایک ذبیحہ معین کیا۔ دریائے فرات کا کنارہ تمہارے ذہن میں آ گیا ناں۔ آج سے اڑھائی ہزار سال پہلے جو صحیفہ اتارا اس صحیفہ میں بھی ان کا نام موجود ہے۔ جانتے تھے حسینؑ۔ یہ جو آج کہا جاتا ہے ناں کہ سلطنت کیلئے خروج کیا یہ فضول بات ہے۔ حسینؑ کو معلوم تھا کہ ہونا کیا ہے؟ یاد ہے وہ جملہ جو 28 رجب کی شب حسینؑ ابنِ علیؑ نے قبرِ رسولؐ پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا:

اَللّٰهُمَّ قَدْ حَضَرَنِىْ مِنَ الْاَمْرِ اَللّٰهُمَّ هٰذَا قَبْرُ نَبِيِّكَ
وَ اَنَا ابْنُ بِنْتِ نَبِيِّكَ۔

کیا کہا قبرِ رسولؐ پر۔ پروردگار وہ وقت آ گیا جو تیرے علم میں ہے پروردگار یہ

تیرے نبی کی قبر ہے اور میں تیرے نبی کی بیٹی کا بیٹا ہوں۔

عَیِّنْ لِیْ فِیْهِ لَكَ رِضاً وَّ لِرَسُوْلِكَ رِضاً۔

پروردگار اِس پورے اقدام میں میرے لیے وہ متعین کر جس میں تیری بھی مرضی ہو اور تیرے رسول کی مرضی بھی ہو۔

اُرِیْدُ اَنْ آمُرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ اَنْهٰی عَنِ الْمُنْکَرِ۔

میرے مالک یں اس لیے مدینے سے نکل رہا ہوں کہ امر بالمعروف کرنا چاہتا ہوں۔اور نہی عن المنکر کرنا چاہتا ہوں۔ یہ ہے پورے واقعہ کربلا کا منشور۔حسینؑ نکلے امر بالمعروف کے لیے۔حسینؑ نے خروج کیا نہی عن المنکر کے لیے۔ 28 رجب 60 ہجری کو مدینے سے نکلے تین شعبان کو یا چار شعبان کو مکہ معظّمہ میں وارد ہوئے شعبان، رمضان، شوال، ذیقعد یہ عرصہ حسینؑ نے مکہ میں گزارہ کوئی تاریخ بتادے، دُنیا کا کوئی دُشمن ترین مؤرخ بتادے کہ حسینؑ نے اس عرصہ میں لشکر جمع کیا ہو یا ہتھیار جمع کیے ہوں وہ گردنیں کٹوانے جارہا ہے۔اُسے لشکروں سے کیا لینا ہے اُسے ہتھیاروں سے کیا لینا ہے۔نو ذوالحج کو زوال کے فوراً بعد جب مجمع اپنے پورے عروج پر تھا تو حسینؑ نے خطبہ دیا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ حاجیوں کے لباس میں کچھ لوگ آ گئے ہیں جنہیں میرے قتل پر معین کیا گیا ہے۔میں یہ نہیں چاہتا کہ میرے قتل سے خانۂ خدا کی بے حرمتی ہو حسینؑ نے قاتل کو پہچانوا دیا۔اور یہ کہہ کر حج کو عمرے سے تبدیل کیا۔

چلتے ہوئے دوسری محرم کو حسینؑ کے ذوالجناح نے چلنے سے انکار دیا۔حسینؑ نے سواریاں بدلیں۔گھوڑے بدلے حسینؑ نے ایک سواری سے دوسری سواری پر۔ دوسری سواری سے تیسری سواری پر جب کوئی سواری نہ چلی۔تو حسینؑ کہنے لگے بھیا

عباسؑ یہ جو سامنے بستی ہے ناں۔ ذرا بستی والوں کو تو بلا کر لاؤ۔ بستی والے آئے۔ حسینؑ کو پہچانا اور سلام کیا۔ ایک بوڑھا آگے بڑھا اور کہنے لگا فرزندِ رسولؐ ہم کبھی آپ کو مشورہ نہ دینگے کہ آپ اِس زمین پر قیام کریں۔ جتنی جلدی ہو اس سرزمین سے چلے جائیں اِس لیے کہ ہم بزرگوں سے سُنتے آئے ہیں کہ یہ زمین کسی نبی کو یا وصی نبی کو راس نہیں آئی۔

حسینؑ فرماتے ہیں ذرا اِس بستی کا نام تو بتاؤ۔

کسی نے کہا: **یُقَالُ لَهَا غَادِرِيَّه**

فرزندِ رسولؐ اسکا نام غادریہ ہے۔

کہا کوئی اور نام ہے؟

کسی نے کہا: **یُقَالُ لَهَا نَيْنَوَا**

فرزندِ رسول! اسکا ایک نام نینوا بھی ہے۔

آپؑ نے کہا کوئی اور نام بھی ہے؟

کسی نے کہا: **یُقَالُ لَهَا غَارِيَّه**

لوگ نام بتاتے جا رہے تھے حسینؑ پوچھتے جا رہے تھے۔ کہا کوئی اور نام؟

ایک بوڑھا بولا: **یُقَالُ لَهَا كَرْبَلَا**

مولا! اِس کا نام کربلا بھی ہے۔ پس اب سُنتا تھا کہ ایک مرتبہ حسینؑ ابنِ علیؑ

نے آواز دی: **وَ اللّٰهِ هٰذِهٖ اَرْضُ بِكَرْبٍ وَ بَلَا**

خدا کی قسم یہ کرب و بلا کا نام ہے۔

هٰهُنَا مُنَاخُ رَحْلِنَا یہاں ہماری سواریاں ٹھہریں گئیں۔

هٰهُنَا يُذْبَحُ حَرِيْمُنَا یہاں اہلِ حرم ذبح کردیئے جائیں گے۔

بھیا عباسؑ !اس زمین پر خیمے لگا دو۔ 2 محرم کو خیمے لگے تیسری محرم کو فوجیں آنے لگیں۔ چوتھی محرم کو پسرِ سعد کا لشکر آیا۔ بہت بڑی فوج اور گھوڑوں کی ٹاپوں کی وہ دہشت تھی کہ چھوٹے چھوٹے بچے سیدانیوں کی گودیوں میں چھپے رہے۔ چھٹی محرم کو نہر کے کنارے سے خیمے اُٹھوائے گئے۔ ساتویں محرم کو آلِ رسولؐ پر پانی بند کر دیا گیا دیکھو یہ تاریخ کربلا کی۔ یہ اُس آٹھ دن کی بستی کی پوری تاریخ ہے۔نویں محرم کو تاریخ نگاروں نے لکھا:

وَ اَمَّا طَفَّهَا وَ قَدَحَ وَ حُصِرَ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔

نویں محرم کو حسینؑ کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا اور یہ طے ہوا کہ نویں محرم کو جنگ ہو جائے۔ حسینؑ نے بھیا عباسؑ کو بھیجا ایک رات کی مہلت لی۔نہیں مہلت دی کہ کوئی حُر ہے تو فوج سے آ جائے۔ پوری رات تسبیح و تقدیس الٰہی میں بسر ہوئی۔ حسینؑ اور اصحابِ حسینؑ کے خیموں سے ایسے تسبیح کی آواز آ رہی تھی جیسے شہد کی مکھیاں بھنبھنا رہی ہوں۔اصحابِ حسینؑ، نافع ابنِ ہلال کی سربراہی میں پوری رات زینبؑ کے خیمے کا پہرہ دیتے رہے۔اب میں ہاتھ جوڑ کر کہوں حسینؑ کے ساتھیو خیال رکھنا کہیں شامِ غریباں کو یہ خیمہ جل نہ جائے۔

عزادارو! میرا مولا اکیلا ہوا۔میدان میں آیا اور میدان میں آنے کے بعد اُس نے آواز دی۔اب بھوکے کی جنگ دیکھو!اب پیاسے کی جنگ دیکھو اور یہ کہہ کر حملہ کیا تم نے میرے اکبرؑ کو نہیں چھوڑا، ارے تم نے میرے عباسؑ کو شہید کر دیا تم نے چھ مہینے کے بچے کو بھی نہیں چھوڑا۔ حسینؑ لڑے اپنی قدرت دکھلائی کہ یہ تمھارا حملہ کسی مجبور انسان پر حملہ نہیں، آخر جنگ کا وقت آیا۔ فوجیں دور دور تک بھاگ گئیں۔اور حسینؑ انکو بلا رہے

ہیں کہ آوَ اگر مقابلے کی ہمت ہے تو سامنے آوَ ایک دفعہ فضا میں آواز گونجی:

﴿ یَاۤاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ﴾

حسینؑ واپس آ جا یہ سُننا تھا کہ تلوار نیام میں رکھی سر کو جھکا کر بیٹھ گئے۔

رِضاً بِقَضَائِهٖ وَ تَسْلِیْماً لِاَمْرِهٖ وَ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ۔

اب پتھر آئے، تلواریں آئیں، تیر آئے، نیزے آئے۔ میرا مولا زخمی ہوتا چلا گیا۔ ایک منزل ایسی آئی کہ حسینؑ ذوالجناح سے زمین پر آئے۔ جیسے ہی حسینؑ ذوالجناح سے زمین پر آئے ہیں ناں۔ لشکر میں خوشی کے نقارے بجنے لگے۔ وہ شہزادی عاشورہ کے دن تین ہی مرتبہ تو نکلی ہے۔ یا اکبرؑ کے لاشے پر آئی ،یا جب آئی جب نقارے بج رہے تھے۔ دیکھا کہ حسینؑ سجدے میں ہیں، پسرِ سعد دیکھ رہا ہے۔ ایک مرتبہ آواز دی:

یَا ابْنَ سَعْد ! اَنْ یُّقْتَلَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ وَ اَنْتَ تَنْظُرُ اِلَیْهِ۔

اَے پسرِ سعد! رسولؐ کا نواسہ قتل کیا جائے اور تو دیکھ رہا ہے جیسے حسینؑ کے کانوں میں آواز گونجی۔ حسینؑ نے آنکھیں کھولیں ،بہن کی طرف اشارہ کیا بہن ابھی میں زندہ ہوں یہ دوسری مرتبہ شہزادی نکلی بہن ابھی حسینؑ زندہ ہے۔ خیمے میں واپس جاوَ اُدھر بی بی حکمِ امامؑ سے خیمے کی طرف چلی ، اُدھر فرات کا پانی نہر سے اُچھلا فضا میں آواز آئی:

اَلَا قَدْ قُتِلَ الْحُسَیْنُ بِاَرْضِ کَرْبَلَا۔

اب بی بی تیسری بار باہر نکلی ، بیمار بھتیجے کا شانہ ہلایا۔ کہا، بیٹے سید سجادؑ باہر کچھ شور ہو رہا ہے ذرا اُٹھ کے تو دیکھو۔ بیمار امام نے جونہی خیمے کا پردہ اُٹھایا نوک نیزہ پر

نگاہ پڑی۔ بیمار امام نے سلام کیا، پھر واپس چلا گیا۔ اب لشکرِ یزید میں ایک طرف نیزے والے نیزوں کو اُٹھا اُٹھا کر خوشی کا اعلان کر رہے ہیں ایک مرتبہ علیؑ کی بڑی بیٹی خیمے کا پردہ اُٹھا کر باہر نکلی، نیزوں اور تلواروں کو ہٹایا۔ یہ کہہ کر علیؑ کی بیٹی آ رہی ہے راستہ دو۔ لوگ ہٹتے گئے۔ شہزادی مقتل میں پہنچی ایک مرتبہ زانوؤں کے بل بیٹھ گئی، دونوں ہاتھوں پر حسینؑ کا لاشہ اُٹھایا

اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ مِنَّا ھٰذَا الْقُرْبَانَ

میرے مالک! اس قربانی کو قبول فرما، آلِ محمدؐ کی قربانی قبول ہوئی۔ کربلا کے میدان میں شام آ گئی، جلے ہوئے خیموں میں تڑپتی ہوئی بیبیاں...... میرے دوستو، میرے عزیزو، میرے بزرگو! فقط تمھیں دو لفظوں کی زحمت دوں گا۔ کٹے ہوئے سروں کی شام ہے۔ چھنی ہوئی چادروں کی شام ہے۔ شامِ غریباں...... اُس چھ مہینے کے بچے کی شام ہے جو جلتی ریت پر دفنا دیا گیا۔ شامِ غریباں...... اُس بچی کی شام ہے جس کے گوشوارے نوچ لیے گئے۔ پس میرے دوستو! غریبوں کی شام آ گئی...... شہزادی زینبؑ نے شہزادی اُم کلثومؑ نے بچے گننے شروع کیے۔ شہزادی اُم کلثومؑ نے بچوں کو جلے ہوئے خیموں کے درمیان لا کر بٹھایا۔ جملہ سُنو گے، بیبیاں جب بچے تلاش کر رہی تھیں تو ساحل کے کنارے دو بچے سوئے ہوئے تھے۔ ایک بہن نے دوسری بہن سے کہا کہ انہیں یہیں سونے دو تھکے ہوئے ہوں گے۔ پانی پی کر سو گئے ہیں لیکن جب دوسری بہن قریب گئی تو سینوں پر گھوڑوں کی ٹاپوں کے نشان نظر آئے۔ کچلے ہوئے لاشوں کی شام...... سارے بچے موجود ہیں اُن بچوں کی لاشیں مل چکی ہیں لیکن سکینہؑ موجود نہیں کون سکینہؑ۔ وہی سکینہ جو اپنے باپ کے سینے پر سونے کی عادی تھی جس کے لیے حسینؑ کہا کرتے تھے کہ وہ گھر

بیکار ہے جس گھر میں میری بیٹی سکینہؑ موجود نہ ہو۔

پس آخری جملے ہیں شہزادی زینبؑ نے آواز دی بہن اُم کلثومؑ تم یہاں تلاش کرو میں مقتل کی طرف جا رہی ہوں۔ اور یہ کہتی ہوئی چلیں سکینہؑ! سکینہؑ! اگر میری آواز کو سُنو تو لبیک کہنا شہزادی زینبؑ پکارتی جا رہی ہیں کہ ایک کٹے ہوئے گلے سے آواز آئی بہن ذرا آہستہ بولو سکینہؑ میرے پاس سو رہی ہے۔

قریب گئیں بچی کو گود میں اُٹھایا خیمہ میں لائیں اب پانی کہیں سے بھی آیا ہو کوزے میں بھر کر سکینہؑ کو دیا کہا بیٹی پانی پی لے۔

خاندان آلِ محمدؐ کی تہذیب دیکھو پانی کہیں سے بھی آیا ہو آواز دی۔ سکینہؑ اُٹھو پانی پیو۔ بس یہ آخری جُملہ ہے میری تقریر کا۔ کہا پھوپھی اماں آپ پی لیں۔ کسی اور کو پلا دیں کہا، نہیں بیٹی تو پی لے۔ کہا پھوپھی اماں کسی کو بھی دے دیں۔ کہا بیٹی طریقہ یہ ہے جو بچہ چھوٹا ہو پہلے وہ پانی پئے۔ کہا پھوپھی امّاں مجھے دے دیں۔ پانی کا کوزہ اپنے ہاتھوں میں لیا، مقتل کی طرف چلی۔ کہا، بیٹی کہاں جا رہی ہو؟ کہا پھوپھی امّاں میں پیاسی ہوں۔ لیکن میرا اصغرؑ مجھ سے بھی چھوٹا ہے۔

اَلَا لَعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ وَ سَيَعۡلَمُ

الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا اَىَّ مُنۡقَلَبٍ يَّنۡقَلِبُوۡنَ۔

☆☆☆

گھبرائے گی زینبؑ

بھیّا تمہیں گھر جا کے کہاں پائے گی زینبؑ

گھبرائے گی زینبؑ

کیسا یہ بھرا گھر ہوا برباد الٰہی، کیا آئی تباہی

اس کو کبھی آباد نہ اب پائے گی زینبؑ

گھبرائے گی زینبؑ

گھر جا کے کسے دیکھے گی قاسمؑ ہے نہ عباسؑ

اکبرؑ کی بھی ہے یاس

اپنے علی اکبرؑ کو کہاں پائے گی زینبؑ

گھبرائے گی زینبؑ

جب پوچھیں گے یہ سب لوگ کہ بازو پہ ہوا کیا

یہ نیل ہے کیسا؟

کس کس کو نشاں زخم کے دکھلائے گی زینبؑ

گھبرائے گی زینبؑ

پھٹ جائے گا یہ دیکھتے ہی گھر کو کلیجہ

یاد آؤ گے بھیّا !

دل ڈھونڈے گا تم کو پہ کہاں پائے گی زینبؑ

گھبرائے گی زینبؑ

بے پردہ ہوئی، قید بھی خواہر نے اُٹھائی

اور موت نہ آئی

کیا جانیے کیا کیا ابھی دُکھ پائے گی زینبؑ

گھبرائے گی زینبؑ

☆☆☆☆☆☆

یہ الگ بات کہ محفوظ رہا دینِ رسولؐ

یہ الگ بات کہ لُوٹا گیا گھر زینبؑ کا

سید محسن نقویؔ

سلامِ آخر

سلام خاک نشینوں پہ سوگواروں کا
غریب دیتے ہیں پرسہ تمہارے پیاروں کا

سلام تم پہ ہمارے رسولؐ کے پیارو!
سلام تم پہ رسولؐ و بتولؑ کے پیارو!

سلام ان پہ جنہیں شرم کھائے جاتی ہے
کھلے سروں پہ اسیری کی خاک آتی ہے

سلام اس پہ جو زحمت کشِ سلاسل ہے
مصیبتوں میں امامت کی پہلی منزل ہے

سلام بھیجتے ہیں اپنی شہزادی پر
کہ جس کو سونپ گئے مرتے وقت گھر سرور

مسافرت نے جسے بے بسی یہ دکھلائی
نثار کر دیئے بچے نہ بچ سکا بھائی

اسیر ہو کے جسے شامیوں کے نرغے میں
حسینیت ہے سکھانا علیؑ کے لہجے میں

سکینہؑ بی بی تمہارے غلام حاضر ہیں
بجھے جو پیاس تو اشکوں کے جام حاضر ہیں

یہ سن، یہ حشر، یہ صدمے نئے نئے بی بی
کہاں پہ سوئی ہو خیمے تو جل گئے بی بی

گلے پہ زخم، یتیمی کی سختیاں بی بی
وہ سینہ جس پہ کہ سوتی تھی اب کہاں بی بی

نہ اس طرح کوئی کھیتی ہری بھری اُجڑی
تمہاری مانگ بھی اجڑی ہے کوکھ بھی اُجڑی

نہیں لعینوں میں انساں کوئی خدا حافظ
درندے اور یہ بے وارثی خدا حافظ

سلام محسنِ اسلام، خستہ تن لاشو
سلام تم پہ شہیدوں کے بے کفن لاشو

بچے تو اگلے برس ہم ہیں اور یہ غم پھر ہے
جو چل بسے تو یہ اپنا سلامِ آخر ہے

☆☆☆☆

میر انیس کے مرثیے سے اقتباس

مقتل سے آئے خیمے کے در پر شہ زمن
پر شدت عطش سے نہ تھی طاقت سخن
پردے پہ ہاتھ رکھ کے پکارے بہ صد محن
"اصغر کو گاہوارے سے لے آؤ، اے بہن
پھر ایک بار اس مہ انور کو دیکھ لیں
اکبر کے شیر خوار برادر کو دیکھ لیں"

خیمے سے دوڑے آل محمد برہنہ سر
اصغر کو لائیں ہاتھوں پہ بانوئے نوحہ گر
بچے کو لے کے بیٹھ گئے آپ خاک پر
منہ سے ملے جو ہونٹ تو چونکا وہ سیم بر
غم کی چھری چلی جگر چاک چاک پر
بٹھلا لیا حسین نے زانوئے پاک پر

بچے سے ملتفت تھے شہ آسماں سریر
تھا اس طرف کمیں میں بن کاہل شریر
مارا جو تین بھال کا اس بے حیا نے تیر
بس دفعتاً نشانہ بنی گردن صغیر
تڑپا جو شیر خوار، تو حضرت نے آہ کی
معصوم ذبح ہو گیا گودی میں شاہ کی

جس دم تڑپ کے مر گیا وہ طفل شیر خوار
چھوٹی سی قبر تیغ سے کھودی بہ حال زار
بچے کو دفن کر کے پکارا وہ ذی وقار
"اے خاک پاک حرمت مہماں نگاہ دار

دامن میں رکھا ہے، جو محبت علی کی ہے
دولت ہے فاطمہ کی امانت علی کی ہے

پہلے پہل چھٹا ہے یہ ماں کی کنار سے
واقف نہیں ہے قبر کی شب ہائے تار سے
اے قبر، ہوشیار مرے گل عذار سے
گردن چھدی ہوئی ہے بچانا فشار سے

سید ہے، لال حضرت خیر النساء کا ہے
معصوم ہے، شہید ہے، بندہ خدا کا ہے'

☆☆☆